قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا چھہترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

اپریل 2019ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

حدیث نبوی ﷺ

یہودی اور نصاریٰ (عیسائیوں) نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا بنالیا تھا تو عدی بن حاتم نے کہا کہ وہ لوگ ان کی پرستش تو نہیں کرتے۔ پھر اُنہوں نے انہیں خدا کیسے بنالیا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ جس چیز کو ان کے علماء و مشائخ حلال قرار دیتے تھے یہ لوگ اُسے حلال سمجھ لیتے تھے اور جسے وہ حرام قرار دے دیتے تھے اُسے حرام سمجھ لیتے تھے۔ یہی علماء اور مشائخ کو خدا بنالینا ہے۔

(ترمذی شریف بحوالہ ابنِ کثیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پرویز صاحب کے علمی اسلوب تحقیق کی تائید

قرآنی نظریات کی روشنی میں مغرب کے غلط تصورات کی تردید میں محترم پرویز اور ہمارے ہاں کے مفکرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ ان میں سے ڈاکٹر علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین احمد اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی تصنیفات سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں۔ جب بھی قارئین ان اقتباسات کی روشنی میں محترم پرویز صاحب کی تصنیفات کا جائزہ لیں گے تو وہ ان تمام خوبیوں کو بشمول دیگر خوبیوں کے ان میں پائیں گے۔ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کا موقف جاننے کے لئے خصوصی طور پر ان کی تصانیف ''انسان نے کیا سوچا'' اور ''اسلام کیا ہے'' ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہیں۔

(1) ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا موقف:

1- عقل اور وحی میں تصادم نہیں بلکہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

2- قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ:

(الف) اپنے زمانوں کے تقاضوں اور اپنے دور کی فکری کاوشوں سے متعارف ہوں۔

(ب) قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریفِ آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثرانداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

(2) ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا موقف:

مغرب کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید قرآنی نظریات سے کرتے ہوئے مصنف کے لئے ضروری ہے کہ:

1- وہ روحِ قرآن کے ساتھ پوری پوری واقفیت پیدا کریں جس کے بغیر قرآنی اور غیر قرآنی تصورات میں تمیز کرنا مشکل ہوگا۔

2- وہ مغرب کے غلط تصورات کے اصل ماخذ اور ان کے متبعین کے طرزِ خیال وعمل سے پوری پوری واقفیت پیدا کریں۔

3- وہ علم کے تمام شعبوں سے یعنی مادی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم اور فلسفہ سے جو ان علوم کو جمع کر کے ایک مکمل نظریہ کائنات ترتیب دیتا ہے، اس حد تک واقف ہوں کہ ان کی ساری وسعت میں جہاں کہیں کوئی اسلامی تصور موجود ہو اسے پہچان کر لے سکیں اور استخراج اور استنباط سے مزید صحیح اسلامی تصورات کو اخذ کر سکیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اپریل 2019ء

جلد 72 شمارہ نمبر 4

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: قرآن کی رو سے شرک کا مفہوم	ادارہ	4
چھ خطبات	پرویزؒ	6
علامہ محمد اقبالؒ کا دوسرا خواب	شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ، لاہور	16
قرآنی معاشرہ	عمر احمد عثمانی مرحوم	28
اسلام میں دین و دنیا ایک ہوتے ہیں۔۔۔	خواجہ ازہر عباس، کراچی	32
خواتین کا صفحہ: عورت اور قرآن	جمیلہ خاتون پالوی، بھارت	39
دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان (قسط نمبر:25)	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	42
نوجوانوں کا صفحہ: نخلِ سینا (نشست نمبر:13)	محمد علی صابر صدیقی	52
بچوں کا صفحہ: اللہ نظر کیوں نہیں آتا؟	حمیرا فاروقی	59

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِتعاون: 50 روپے فی پرچہ
پاکستان: 550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

ENGLISH SECTION

Surah *Muhammad* (محمّد) – Durus-al-Qur'an: Chapter 1

By G. A. Parwez

(Translated by: Mansoor Alam)

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)

Phone: 042-35714546
Cell: 0321-4460787

idarati@gmail.com www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: ۰٤٦٥۰۰4073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے
حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تو ہے
تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لمعات

مفہوم القرآن

قرآن کی رو سے شرک کا مفہوم

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ یُّشۡرِکۡ بِاللّٰہِ فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا ﴿۴۸﴾ (4:48)

یاد رکھو! سہو وخطا سے کوئی لغزش ہوجانا اَور بات ہے۔ اُس کے نقصانات سے اِنسان' قانونِ خداوندی کے مطابق' محفوظ رہ سکتا ہے۔ لیکن جو شخص خدا کے قوانین کے ساتھ اِنسانوں کے خودساختہ قوانین کو شامل کرلے یا' اُن کے علی الرغم' اپنے جذبات ہی کی اطاعت شروع کردے (45:23) یا جو صفات اور قوتیں صرف خدا کے لئے مخصوص ہیں' ان میں دوسروں کو بھی شریک سمجھ لے' تو اس رَوش کے تباہ کن نتائج سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اس لئے کہ یہ تصور کہ کائنات میں' خدا کے علاوہ اَور بھی صاحبِ اِقتدار ہوسکتے ہیں، یہاں' اُس کے علاوہ کسی اَور کا قانون بھی چل سکتا ہے' ذہن اِنسانی کا خودساختہ تصور ہے جو بڑی غلط بنیادوں پر اُٹھایا ہوا ہے۔ اِس سے اِنسان کا دل' خوف کا نشیمن بن جاتا ہے (22:31)۔ وہ ہر وقت اپنے ذہن کے تراشیدہ ''خداؤں'' سے ڈرتا رہتا ہے اور اس طرح اس کی جرأت و بے باکی کی قوتیں مضمحل ہوجاتی ہیں —— ایسا شخص اِن تباہیوں سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟ اسے پھر سن لو کہ 'شرک' صرف بت پرستی کا نام نہیں۔ بت پرستی تو جہالت کا مظاہرہ ہے۔ شرک یہ ہے کہ خدا کے ساتھ اَوروں کو بھی صاحبِ اِقتدار سمجھا جائے اور اس کی عملی شکل یہ کہ خدا کی کتاب (قرآنِ مجید) کے ساتھ اِنسانوں کے خودساختہ قوانین کو بھی شامل کرلیا جائے' خواہ وہ قوانین مذہبی پیشوائیت کے فیصلے ہوں اور خواہ اَربابِ حکومت کے وضع کردہ ضوابط (40:12; 39:45; 17:46; 9:31)۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَلَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾ (4:49)

جو لوگ اِس باطل تصور کو دل میں جگہ دیئے ہوئے ہیں' ذرا اُن کی حالت پر غور کرو۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم جس نہج پر چل رہے ہیں اس سے ہماری ذات کی نشوونما ہو رہی ہے۔ اس سے ہم ''روحانیت کی منزلیں'' طے کر رہے ہیں۔

یاد رکھو! اِنسانی ذات کی نشوونما صرف اُس ضابطۂ خداوندی کی رُو سے ہوسکتی ہے جسے اُس نے اپنی مشیت کے مطابق' بذریعہ وحی عطا کیا ہے۔ اُس کے مطابق' جو چاہے اپنی ذات کی نشوونما کرسکتا ہے۔ اس کی سعی وعمل میں ذرا برابر بھی کمی نہیں ہوتی۔ وہ اپنا نتیجہ ٹھیک ٹھیک مرتب کئے جاتے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ (4:50)

دیکھو! (یہ ''روحانیت'' کے مدعی) کس طرح اپنے خودساختہ مشرب ومسلک کو' خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس طرح' کتنا بڑا جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے۔ ان کی اپنی ذات میں (تقویت اور نشوونما کے بجائے) ضعف واِضمحلال پیدا ہوجاتا ہے۔ اور یہی چیز ان کی تباہی کے لئے کافی ہے۔

ایسا کھلا ہوا جھوٹ، اتنا واضح جرم اور دعویٰ یہ کہ ہم خدا کے مقرب ہیں!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

(4:51-52)

(یہ ان کے ''اہل طریقت'' کا حال ہے۔ دوسری طرف) اِن اہل کتاب کے اَربابِ شریعت کو دیکھو! یہ چند بے جان رسومات اور بے حقیقت معتقدات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں' اور غیر خدائی قوتوں (مذہبی پیشواؤں اور حکمرانوں) کے بنائے ہوئے قوانین پر اِیمان رکھتے ہیں۔ اور ضد کا یہ عالم ہے کہ قرآن پر اِیمان رکھنے والوں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں' کافر زیادہ سیدھی راہ پر ہیں (حالانکہ تم' اِن اہل کتاب کو' کفار پر ترجیح دیتے ہو)۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے صحیح اور سچے ضابطۂ ہدایت کی برکات سے محروم رہ گئے۔ اور جو اس ضابطہ کی برکات سے محروم رہ جائے' اس کا کوئی حامی وناصر نہیں ہوسکتا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ (4:53)

یہ تو غنیمت ہے کہ انہیں ملک میں اِقتدار واِختیار حاصل نہیں' ورنہ یہ لوگوں کو تل کے برابر بھی کوئی شے نہ دیتے۔

توجہ فرمایئے

اس امر کو واضح کردینا ضروری ہے کہ ادارہ طلوع اسلام کا ملکی یا غیر ملکی کسی بھی سیاسی پارٹی یا فرقہ سے براہِ راست یا بالواسطہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی ادارہ طلوع اسلام خود کوئی سیاسی پارٹی یا مذہبی فرقہ ہے۔ یہ صرف اور صرف ایک فکری اور علمی تحریک ہے۔ (چیئرمین ادارہ)

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرابِ کہن

چھ خطبات

ایک حوالہ کی تلاش میں پُرانے کاغذات اُلٹ پلٹ رہا تھا کہ ان میں خطبات کا ایک مسودہ ملا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ یہ خطبات کب لکھے تھے اور ان کے مخاطب کون تھے۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی بیس بائیس برس اُدھر کی بات ہے اور ان کا عام فہم اور سلیس اندازِ بیان اشارہ کناں ہے کہ انہیں یا تو متوسط درجہ کے طلباء کے لئے لکھا گیا تھا اور یا کم تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، ان کی اشاعت کہیں نہیں ہوئی۔ مُرورِ زمانہ کے باوجود، ان کی افادی حیثیت میں کچھ فرق نہیں آیا، اس لئے میں نے مناسب سمجھا ہے کہ انہیں پیشِ خدمت قارئین کر دیا جائے۔ پرویز۔1979ء

پہلا خطبہ:

قال اللہ تعالیٰ: اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ (2:61)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم اُس چیز کو جو بہت گراں قیمت ہے اس چیز کے بدلے میں دے دینا چاہتے ہو جو انتہائی پست درجے کی ہے؟

برادرانِ عزیز! اگر آپ بازار میں کسی شخص کو دیکھیں کہ وہ سو روپے کی سونے کی انگوٹھی دس روپے میں بیچ رہا ہے تو آپ کے دل میں پہلا خیال یہ گزرے گا کہ یہ انگوٹھی اس کی اپنی نہیں۔ چوری کی ہے۔ اسی لئے یہ اُسے اتنے سستے داموں فروخت کر رہا ہے۔ پنجابی زبان میں ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ ''چوراں دے کپڑے تے ڈانگاں دے گز۔'' جب چوری کا کپڑہ بکتا ہے تو اسے عام گزوں سے نہیں ماپا جاتا۔ اس کی پیمائش اُن گزوں سے کی جاتی ہے جن کی لمبائی لٹھ بھر کی ہو۔

لیکن اگر آپ کو اس کا بھی یقین آجائے کہ وہ انگوٹھی چوری کی نہیں۔ اُس شخص کی اپنی ہے۔ تو پھر آپ اس کے سوا کسی نتیجے پر نہیں پہنچیں گے کہ وہ شخص پاگل ہے۔ کوئی سمجھدار آدمی ___ کوئی صاحبِ عقل وہوش ___ سو روپے کی چیز دس روپے میں نہیں بیچتا۔ آپ جس سے بھی اس بات کا ذکر کریں گے وہ بلا تامل کہہ دے گا کہ وہ شخص فی الواقعہ پاگل تھا۔

لیکن جو لوگ اُس شخص کو پاگل کہتے ہیں انہوں نے کبھی اپنی حالت پر غور نہیں کیا اور سوچا نہیں کہ وہ خود صبح سے شام تک کتنی مرتبہ اس قسم کے پاگل پن کی حرکتیں کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتنی گراں بہا چیزوں کو کتنے سستے داموں فروخت کرتے ہیں۔ آپ شائد حیران ہوں گے کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو اس قسم کے پاگل پن کی حرکتیں کرتے ہیں؟ وہ کون سی بستیاں ہیں جن میں یہ لوگ رہتے ہیں؟ اگر آپ سے کہہ دیا جائے کہ وہ ہم میں سے ہی ہیں۔ اور ہماری ہی بستیوں میں بستے ہیں، تو شاید آپ اسے صحیح تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں ___ لیکن یہ بات ہے بالکل صحیح۔ اس میں کسی شک

وشبہ کی گنجائش نہیں۔ سنئے کہ یہ کس طرح صحیح ہے!

ہمارے ہاں ایک عام محاورہ ہے ___ اور میرا خیال ہے کہ آپ میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے اس محاورہ کا کبھی نہ کبھی استعمال نہ کیا ہو۔ یا کم از کم اسے سُنا نہ ہو۔ وہ محاورہ یہ ہے کہ ؎

مال صدقۂ جان، جان صدقۂ آبرو

آپ سمجھے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب بالکل واضح ہے۔ مال و دولت اچھی چیز ہے۔ اس سے دنیا میں انسان کے بہت سے کام نکلتے ہیں۔ اس سے ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ اس سے انسان کھانے پینے کی چیزیں خریدتا ہے۔ بیمار ہو تو علاج کراتا ہے۔ ڈاکٹر کی فیس دیتا ہے۔ دوائیاں خرید کر لاتا ہے۔ کپڑے بنواتا ہے۔ بچوں کو تعلیم دلواتا ہے۔ یہ سب کچھ پیسے کے زور پر ہوتا ہے۔ ہمارے ایک پرانے شاعر نے کہا ہے کہ ؎

پیسہ نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

اس لئے دنیا میں پیسے کی بڑی قدر ہے۔ جو شخص پیسہ سنبھال کر رکھتا ہے اسے ہر شخص عقلمند کہتا ہے۔ جو پیسہ برباد کرتا ہے اُسے بیوقوف کہا جاتا ہے۔ لیکن زندگی میں ایسے وقت بھی آجاتے ہیں کہ جو شخص اس وقت پیسہ خرچ نہیں کرتا، اُسے سنبھال کر رکھتا ہے۔ ساری دنیا اس پر لعنت بھیجتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کا بچہ بیمار ہے۔ اس کی حالت نازک ہو رہی ہے۔ اس شخص کے پاس بہت سارو پیہ جمع ہے۔ لیکن وہ اپنے بچے کے علاج پر کچھ خرچ نہیں کرتا۔ کبھی وہ اسے محلے کے عطار کے پاس لے جاتا ہے کہ دو پیسے کے شربت میں کام بن جائے۔ کبھی وہ کسی عامل کے پاس چلا جاتا ہے کہ اس کی جھاڑ پھونک سے فائدہ ہو جائے۔ بچے کی حالت دن بدن خراب ہوتی جاتی ہے۔ ساری دنیا اُسے کہتی ہے لیکن وہ اس کے علاج پر پیسہ خرچ نہیں کرتا۔ بالآخر بچہ جان دے دیتا ہے۔ سوچئے کہ کون ہے جو ایسے دولتمند باپ پر لعنت نہیں بھیجے گا؟ ہر شخص اس سے کہے گا کہ میاں! ٹھیک ہے۔ پیسہ اچھی چیز ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اسے سنبھال کر رکھنا چاہئے۔ لیکن بچے کی جان کے مقابلے میں تو پیسہ کوئی چیز نہیں۔ انہی باتوں کے لئے تو پیسے کو سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ مال صدقۂ جان ہوتا ہے۔ جو شخص جان بچانے کے لئے مال خرچ نہیں کرتا وہ بدبخت بخیل ہے۔ وہ انسان نہیں۔ درندہ ہے۔ جان کے مقابلے میں مال کی حیثیت کیا ہے؟

آپ نے غور کیا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ بات بالکل صاف ہے۔ مال و دولت بیشک اپنی قیمت رکھتے ہیں لیکن جان کی قیمت، مال سے کہیں زیادہ ہے۔ جو شخص کم قیمت کی چیز یعنی مال و دولت کو سنبھال کر رکھتا ہے اور اس سے کہیں زیادہ قیمتی چیز ___ یعنی جان ___ کو ضائع کر دیتا ہے، اُسے کوئی اچھا نہیں سمجھتا۔ جو شخص بڑی قیمت کی چیز کو بچانے کے لیے کم قیمت کی چیز کو قربان کر دیتا ہے، اس کی سب تعریف کرتے ہیں۔ یہی شخص عقلمند کہلاتا ہے۔

جہاں تک انسان کی اپنی جان بچانے کا تعلق ہے، بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جو جان بچانے کی خاطر سب کچھ نہ کر گزریں۔ انسان تو ایک طرف، حیوانوں تک بھی اپنی جان بچانے کے لئے انتہائی کوشش کر دیتے ہیں۔ چیونٹی کو دیکھئے۔ کتنی ننھی سی جان ہے۔ لیکن اس کے سامنے انگلی رکھئے اور دیکھئے کہ وہ اس خطرے سے بچنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتی۔ جان بچانے کا جذبہ، ہر جاندار کے اندر قدرت کی طرف سے رکھا گیا ہے۔ کوئی ذی ہوش اپنی جان ضائع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ خودکشی وہی کرتا ہے جس کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہیں۔ جس کی عقل پر جذبات غالب آکر اُسے اندھا کر دیں۔ حیوانات کبھی خودکشی نہیں کرتے۔ غرضیکہ جان ایسی

چیز ہے جسے بچانے کی خاطر انسان سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جان کی قیمت بہت زیادہ ہے ــــ جان ہے تو جہان ہے ہمارے ہاں عام محاورہ ہے۔

لیکن، جان کی اتنی بڑی قیمت کے باوجود، ایسے وقت بھی آجاتے ہیں، کہ جو شخص اس وقت جان بچاتا ہے اُسے ہر شخص نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جو شخص جان دے دیتا ہے، ہر شخص اس کی تعریف کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی درندہ انسان، کسی شریف زادی کی عصمت پر ہاتھ ڈالنا چاہے اور وہ غیرت مند خاتون اپنی عصمت بچانے کی کوشش میں اپنی جان دے دے، تو اس خاتون کی جرأت اور قربانی کا ہر جگہ چرچا ہوتا ہے۔ ہر شخص تعظیم سے اس کا نام لیتا ہے۔ ہم اپنے بچوں کو بڑے فخر سے اس کی کہانی سناتے ہیں۔ اسی کا نام غیرت ہے۔ اگر کسی باپ کے ساتھ اس کی جوان بیٹی جا رہی ہو اور کوئی روسیاہ اس لڑکی کی طرف میلی نظر سے دیکھے تو غیرت مند باپ چیتے کی طرح جھپٹ کر اس کا گلا دبوچ لے گا اور اس کی قطعاً پروا نہیں کرے گا کہ ایسا کرنے میں اس کی جان جاتی ہے یا رہتی ہے۔ اگر بیٹی کی عصمت کی حفاظت میں وہ باپ اپنی جان دے دیتا ہے تو ساری دنیا اس کا نام تعظیم سے لیتی ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اس اصول پر عمل کرتا ہے کہ ــــ ''جان صدقۂ آبرو'' ــــ آبرو کی حفاظت کے لئے جان دے دینا، شرفِ انسانیت کا تقاضا ہے۔

لیکن جہاں ہمیں ایسے باپ ملیں گے جو بیٹی کی طرف بُری نگاہ سے دیکھنے والے کا گلا دبوچ لیں گے وہاں ایسے بے غیرت انسان بھی ملیں گے جو چند روپوں کی خاطر اپنی بیٹیوں کو دوسروں کے ہاں لے جائیں گے۔ ایسے لوگوں کا شمار رذیل ترین انسانوں میں ہوتا ہے۔ انہیں بے غیرت اور دیوث کہا جاتا ہے۔ کوئی شریف آدمی انہیں اپنے پاس بٹھانے کا روادار نہیں ہوتا۔ ان کے پاس کتنی دولت کیوں نہ جمع ہو جائے اور غلط معاشرے میں وہ اس دولت کی بناء پر اپنے لئے کوئی اُونچی جگہ بھی کیوں نہ حاصل کر لیں۔ دنیا انہیں کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گی۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے آبرو جیسی بیش بہا متاع کو مال و دولت جیسی کم قیمت چیز کے بدلے میں بیچ دیا۔ جو شخص کم قیمت کی چیز کی خاطر بڑی قیمت کی چیز کو قربان کر دیتا ہے۔ وہ انسانیت کے مقام سے گر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سپاہی میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے وہ دنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ اس نے حق اور صداقت کی خاطر جان دینے کے بجائے، جان بچانے کو ترجیح دی۔ اس نے بہت بڑی قیمتی متاع کی حفاظت کے مقابلہ میں اُس سے کم قیمت کی چیز کو محفوظ رکھا۔ وہ دنیا کی نظروں میں ذلیل اور خوار ہو گیا۔ اس نے ''جان صدقۂ آبرو'' کے اصول پر عمل نہ کیا۔

لیکن ایک چیز قابل غور ہے۔ جہاں تک جان بچانے کا تعلق ہے، اس میں دنیا کے کسی انسان کو کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ کوئی شخص پاکستان کا رہنے والا ہو یا انگلستان کا۔ افریقہ کا حبشی ہو یا امریکہ کا سفید فام، جنگل میں رہنے والا وحشی انسان ہو یا شہر کا مہذب باشندہ۔ ہر شخص اس سے متفق ہوگا کہ جان کا بچانا ضروری ہے لیکن جہاں تک آبرو کا تعلق ہے اس میں مختلف انسانوں میں ہی نہیں بلکہ مختلف قوموں میں بھی فرق ہے۔ ہمارے ہاں اگر کسی کنواری لڑکی سے لغزش ہو جائے اور اسے حمل قرار پا جائے تو اسے اس قدر

معیوب سمجھا جاتا ہے کہ بسا اوقات وہ لڑکی شرم کے مارے اپنی جان ہلاک کر لیتی ہے۔ لیکن انگلستان میں اسے قطعاً بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ حتیٰ کہ اگر اس بچے کا باپ اُس لڑکی سے شادی کر لے تو اُس بچے کو قانوناً جائز بیٹا تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ آبرو کے متعلق یہ اختلاف بڑا غور طلب ہے۔ انگلستان والے کہتے ہیں کہ چونکہ یہ چیز ہماری سوسائٹی میں بُری نہیں سمجھی جاتی اس لئے یہ بُری نہیں ہے۔ تمہاری سوسائٹی اسے بُرا سمجھتی ہے اس لئے تم اسے بُرا کہتے ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی چیز کے اچھے یا بُرے ہونے کا معیار یہی ہے کہ جس چیز کو سوسائٹی اچھا قرار دے دے وہ اچھی ہو جاتی ہے اور جسے وہ بُرا کہہ دے وہ بُری ہوتی ہے؟ یہ معیار تو کوئی معیار نہیں۔ معیار ایسا ہونا چاہئے جس کے مطابق اچھی بات ہمیشہ اچھی سمجھی جائے اور بُری بات بُری ہی رہے خواہ ساری دنیا اسے اچھا کیوں نہ سمجھنے لگ جائے۔

ہمارے لئے یہ معیار ہے اللہ کی کتاب ___ قرآن مجید ___ وہی یہ بتاتا ہے کہ کون سی چیز زیادہ قیمتی ہے اور کون سی کم قیمت کی۔ کون سی چیز ایسی ہے جسے اس سے زیادہ قیمتی چیز کی خاطر قربان کر دینا چاہئے اور کون سی ایسی جسے کسی حالت میں بھی قربان نہیں کیا جا سکتا۔ ایسی چیزیں جنہیں کسی دوسری چیز کی خاطر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ مستقل اقدار کہلاتی ہیں۔ اقدار، قدر کی جمع ہے اور قدر کے معنی ہیں قیمت۔ لہٰذا، قرآن مجید ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مستقل اقدار کیا ہیں۔ انہی کو نہ بدلنے والے اصول یا قوانینِ خداوندی کہا جاتا ہے۔

جو شخص قرآن مجید کی بتائی ہوئی اقدار کو صحیح مانتا ہے اُسے مسلمان کہتے ہیں اور جو مملکت ان اقدار کی حفاظت کرتی اور ان کے مطابق معاملات کے فیصلے کرتی ہے اسے اسلامی مملکت کہتے ہیں۔

آئندہ خطبات میں یہ بتایا جائے گا کہ یہ مستقل اقدار کیا ہیں۔

دوسرا خطبہ:

قانونِ مکافاتِ عمل

قال اللہ تعالیٰ: فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (99:7-8)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک ذرّہ برابر بھی بھلائی کرتا ہے اسے اس کی جزاء ملتی ہے اور جو شخص ایک ذرّہ برابر بُرائی کرتا ہے اسے اس کی سزا ملتی ہے۔

پچھلے خطبہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ دین ہمیں مستقل اقدار دیتا ہے۔ جو کام ان مستقل اقدار کے مطابق کیا جائے اسے نیکی کہتے ہیں۔ جو ان کے خلاف کیا جائے وہ بُرائی کہلاتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ وہ مستقل اقدار کیا ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ پر نازل کردہ وحی کے ذریعے قرآن مجید میں عطا کیا ہے، ایک اور بات کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ٹریفک کا قانون یہ ہے کہ سڑک کے بائیں ہاتھ چلو۔ آپ کسی ایسے چوراہے پر کھڑے ہو جائیں جہاں عام طور پر تانگے۔ سائیکل وغیرہ آتے جاتے ہوں۔ آپ دیکھیں گے کہ تانگے والا دور سے دیکھے گا کہ چوراہے پر ٹریفک کا سپاہی ہے یا نہیں۔ اگر سپاہی کھڑا ہے تو وہ بائیں ہاتھ چل کر موڑ مڑے گا۔ لیکن اگر سپاہی

نہیں ہے تو وہ جھٹ سے دائیں ہاتھ کی طرف ہو لے گا۔ اگر سپاہی کہیں چھپا کھڑا ہے تو وہ تانگے والے کو پکڑ لے گا اور اسے اس قانون شکنی کی سزا ملے گی۔ اگر سپاہی وہاں فی الواقعہ موجود نہیں تو تانگے والا دَن دناتا ہوا چلا جائے گا۔ کوئی اُسے پوچھے گا بھی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تانگے والے نے غلط کام تو کیا ہے لیکن اسے اس کی سزا نہیں ملی۔

یا اگر وہاں سپاہی موجود ہے اور وہ دیانتدار نہیں تو تانگے والا اُسے دو چار آنے کے پیسے دے کر چھوٹ جائے گا۔ اس صورت میں بھی وہ اپنے جرم کی سزا سے بچ جائے گا۔ یا اگر سپاہی نے اس کا چالان کر دیا ہے لیکن (بدقسمتی سے) مجسٹریٹ دیانتدار نہیں تو بھی مجرم سزا سے بچ جاتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ کتنے لوگ ہیں جو قانون شکنی کے باوجود اس طرح سزا سے بچ جاتے ہیں اور دل میں خوش ہوتے اور فخر کرتے ہیں کہ ہم سب کچھ کرتے ہیں لیکن ہمارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

قانون شکنی اور اس کی سزا کی ایک صورت تو یہ ہے۔ اب دوسری صورت دیکھئے۔ ہمارے محلے میں ایک شخص بیمار تھا۔ ڈاکٹر نے اس کے مرض کی تشخیص کی۔ دوائی دی اور ساتھ ہی تاکید سے کہہ دیا کہ تم نے میٹھا نہیں کھانا۔ اگر ایسا کرو گے تو مرض بڑھ جائے گا۔ ڈاکٹر بڑا قابل تھا۔ علاج بھی نہایت عمدگی سے ہو رہا تھا۔ لیکن مریض کو فائدہ ہونے کے بجائے، دن بدن اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب اس سے پوچھتے کہ تم میٹھا تو نہیں کھاتے۔ وہ پورے یقین کے ساتھ کہہ دیتا کہ بالکل نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں بات نہیں آتی تھی کہ آخر ماجرا کیا ہے۔ اسے آرام کیوں نہیں آتا۔ ایک دن جبکہ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ مریض کی بیوی نے دیکھا کہ وہ چپکے سے میٹھا کھا رہا ہے۔ وہ جھٹ سے اوپر جا پہنچی اور اس سے کہا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ اُس نے کہا کہ اس وقت کون سے ڈاکٹر صاحب دیکھ رہے تھے۔ میں تو ہر روز ایسا ہی کرتا ہوں۔

آپ نے غور کیا کہ تانگے والے نے بھی حکم کی خلاف ورزی کی اور اس بیمار نے بھی حکم کی خلاف ورزی کی۔ تانگے والے کو اگر کسی نے نہیں دیکھا تو اس کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ وہ حکم کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ گیا۔ لیکن یہ مریض، ڈاکٹر کے حکم کی خلاف ورزی کی سزا سے نہیں بچ سکا۔ یہ اُس کے حکم کے خلاف میٹھا کھاتا رہا اور اس کی سزا یہ تھی کہ اس کی بیماری برابر بڑھتی رہی۔ اس سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑا کہ اِسے کوئی شخص دیکھتا تھا یا نہیں دیکھتا تھا۔ ڈاکٹر وہاں موجود تھا یا نہیں تھا۔ فرض کیجئے کہ اسے کوئی شخص میٹھا کھاتے دیکھ لیتا اور وہ اُسے دس روپے دے کر اس کی منت کرتا کہ یہ بات ڈاکٹر کو نہ بتانا۔ اس صورت میں بھی وہ اپنے جرم کی سزا سے بچ نہیں سکتا تھا۔ میٹھا اپنا مضر اثر برابر کئے جاتا۔ اس کی تکلیف بڑھتی چلی جاتی۔ اس سے ظاہر ہے کسی کو اس قسم کے جرم کی سزا سے نہ رشوت بچا سکتی ہے نہ سفارش جو اس قسم کا جرم کرتا ہے اُسے اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اُسے اس سزا سے بچا نہیں سکتی۔

ایک اور شخص کا واقعہ سنیے۔ اس کی صحت بڑی اچھی تھی اور وہ فخر سے لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ دیکھئے! سال بھر ہوا، ڈاکٹروں نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ اگر تم نے میٹھا کھانا کم نہ کیا تو مر جاؤ گے۔ میں برابر میٹھا کھا رہا ہوں۔ لیکن میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ ایک دن معلوم ہوا کہ وہ اچھا بھلا سویا۔ آدھی رات

کے وقت اُسے دورہ سا پڑا۔ صبح ڈاکٹر کے ہاں لے گئے تو اس نے کہا کہ اس کے بچنے کی بہت کم اُمید ہے۔ یہ مسلسل میٹھا کھاتا رہا ہے۔ اس نے اس کی حالت سخت خراب کر دی ہے۔ آپ سمجھے کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ کہ اس شخص پر میٹھا اپنا اثر برابر کر رہا تھا۔ لیکن اسے اس کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ وہ مضر اثر بڑھتا چلا گیا۔ تا آنکہ ایک دن اس کی حالت اس قدر خراب ہوگئی کہ اس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ یعنی اُسے ڈاکٹر کے حکم کی خلاف ورزی کی سزا تو برابر مل رہی تھی لیکن وہ اسے محسوس نہیں کرتا تھا تا آنکہ ایک دن مرض نے اسے سختی سے پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض جرائم ایسے ہیں کہ ان کی سزا کا اثر بہت دیر میں جا کر نمودار ہوتا ہے۔ مجرم سمجھتے ہیں کہ ہمارا کچھ نہیں بگڑ رہا لیکن یہ ان کی بھول ہوتی ہے۔ اندر ہی اندر ان کا سب کچھ بگڑ رہا ہوتا ہے۔

اب ایک اور مثال سنیے۔ ایک شخص محنت مزدوری کر کے کچھ کماتا ہے اور اپنی حلال کی کمائی سے گھی خرید کر لاتا ہے۔ گھی کھانے سے اس کی طاقت بڑھتی ہے۔ دوسرا شخص کسی کی جیب کاٹتا ہے اور پولیس کی گرفت سے بچ جاتا ہے۔ وہ جو روپیہ اس طرح حاصل کرتا ہے اس کا گھی خرید کر لاتا ہے۔ گھر کھانے سے اس کی بھی طاقت ویسے ہی بڑھتی ہے جیسے پہلے شخص کی۔ یعنی جہاں تک انسان کے جسم کی صحت اور طاقت کا تعلق ہے، گھی یکساں اثر کرتا ہے خواہ وہ حلال کی کمائی سے خریدا جائے یا حرام کی کمائی سے۔ اس سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص (جس نے چوری کے روپے سے گھی خریدا تھا) اپنے جرم کی سزا سے بالکل بچ گیا۔ یہ پولیس کی گرفت سے بچ نکلا اس لئے اسے عدالت سے سزا نہ ملی اور خالص گھی کھاتا رہا اس لئے (میٹھا کھانے والے مریض کی طرح) اس کی صحت پر بھی بُرا اثر نہ پڑا۔ اس سے لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اگر انسان ایسا انتظام کر لے کہ وہ پولیس کی گرفت میں نہ آ سکے۔ یا اسے عدالت سزا نہ دے۔ تو پھر اس کے جرم کی سزا کہیں سے نہیں ملتی۔

قرآنِ کریم کہتا ہے کہ یہ غلط ہے۔ چوری کے پیسوں کا گھی کھانے سے انسان کے جسم پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ لیکن انسان کے جسم کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جسے اس کی ذات کہتے ہیں۔ حلال کی کمائی سے انسان کی ذات میں طاقت آتی ہے۔ حرام کی کمائی سے جو کچھ کھایا جائے اس سے اس کی ذات بیمار ہو جاتی ہے۔ اس چیز سے انسان کو کوئی نہیں بچا سکتا۔ وہ پولیس کی گرفت سے بچ جائے۔ وہ عدالت کو رشوت دے کر یا سفارش پہنچا کر یا کسی اور طریق سے اپنا اثر ڈال کر، بری ہو جائے۔ لیکن اسے اس کے جرم کی سزا مل کر رہتی ہے۔ یہ سزا اس کے جسم کو نہیں بلکہ اس کی ذات کو ملتی ہے۔ اس سے اُسے کوئی نہیں بچا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ یہ سزا کون دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے ایسا قانون مقرر کر رکھا ہے کہ جو لوگ مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کریں، انہیں اس کا عمدہ اور خوشگوار بدلہ ملے اور جو لوگ ان اقدار کی خلاف ورزی کریں، انہیں اس کی سزا ملے۔ خدا کا یہ قانون اس قدر محکم اور مضبوط ہے کہ اس کی زد سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ (85:12) ''یہ حقیقت ہے کہ تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔'' اس قانون کو جس کے مطابق انسان کے ہر ایک کام کی جزاء یا سزا مل کر رہتی ہے، قانونِ مکافاتِ عمل کہتے ہیں۔ یعنی انسانی اعمال کے بدلہ

ملنے کا قانون۔ آپ پولیس والے کی نگاہ سے بچ سکتے ہیں لیکن خدا کے اس قانون کی نگاہ سے نہیں بچ سکتے۔ وہ خدا جس کی کیفیت یہ ہے کہ یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ (40:19) ''جو نگاہوں کی خیانت اور دل میں چھپائے ہوئے ارادوں تک سے واقف ہے۔'' یعنی اس کا قانونِ مکافات صرف اُسی وقت گرفت نہیں کرتا جب کوئی شخص جرم کا مرتکب ہوجائے۔ وہ اُس وقت گرفت کرتا ہے جب جرم کا خیال اس کے دل میں پیدا ہو۔ اس کا ارشاد ہے کہ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ ۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ﴿۱۶﴾ (50:16) ''انسان کا دل جو وسوسے اس کے اندر پیدا کرتا ہے ہم انہیں بھی جانتے ہیں۔ (جانیں کیوں نہ؟) ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔'' ہم نے اپنے قانونِ مکافاتِ عمل کی میزان کھڑی کر رکھی ہے جس میں ہر شخص کے اعمال (بلکہ اس کے خیالات اور ارادے) تُلتے رہتے ہیں۔ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ (99:7) ''سو جو شخص ذرّہ بھر بھی بھلائی کرتا ہے وہ بھی اس کے سامنے آجاتی ہے'' وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾ (99:8) ''اور جو شخص ذرّہ برابر بھی بُرائی کرتا ہے وہ بھی اس کے سامنے آجاتی ہے۔ ان جرائم کی سزا سے کوئی شخص کسی صورت میں بھی بچ نہیں سکتا۔ لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا (2:48)۔ اس بارے میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کام نہیں آسکتا۔ وَلَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا شَفَاعَۃٌ (2:48) نہ ہی اس سے کوئی سفارش قبول کی جاسکتی ہے۔ وَّلَا یُؤۡخَذُ مِنۡہَا عَدۡلٌ (2:48) نہ ہی کوئی شخص کچھ معاوضہ دے کر چھوٹ سکتا ہے۔ وَّلَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ (2:48) اور نہ ہی ایسے لوگوں کو کسی قسم کی مدد دی جاسکتی ہے۔ یہ ہے خدا کا قانونِ مکافات۔

مسلمان وہ ہے جو خدا کے اس قانونِ مکافاتِ عمل پر پورا پورا یقین رکھے۔ اسی کو ایمان کہتے ہیں۔ یاد رکھیئے! جو شخص قانون شکنی کرتے وقت یہ سمجھتا ہے کہ مجھے کون دیکھتا ہے۔ یا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں رشوت دے کر۔ سفارش پہنچا کر یا اپنا اثر ڈال کر جُرم کی سزا سے بچ جاؤں گا وہ خدا کے قانونِ مکافات پر ایمان نہیں رکھتا۔

چونکہ اسلامی مملکت، قوانینِ خداوندی کو دُنیا میں نافذ کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے اس مملکت میں کوئی مجرم اپنے جرم کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اس میں نہ رشوت کام دے سکتی ہے نہ سفارش۔ نہ کسی کا اثر ورسوخ کچھ کرسکتا نہ اس کا عہدہ یا مرتبہ اس کے کسی کام آسکتا ہے۔ اس میں جو شخص قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ جو قانون کا احترام کرتا ہے وہ عزت اور امن کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ غیر متبدل اصول ہے۔ یہ مستقل قدر ہے جسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ والسلام

تیسرا خطبہ:

دیر ہے، اندھیر نہیں

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ ---- (6:21)

ارشادِ خداوندی ہے کہ اس بات پر اچھی طرح سے یقین رکھو کہ ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھ سکتی۔ ظلم کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔

گزشتہ خطبہ میں ہم نے بتایا تھا کہ خدا کے قانونِ

مکافات کے مطابق انسان کا ہر کام نتیجہ مرتب کر کے رہتا ہے۔ جو بھلائی کرتا ہے اسے اس کی جزاء ملتی ہے۔ جو برائی کرتا ہے وہ اس کی سزا پاتا ہے۔ خدا کے اس قانون میں کبھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شخص کمی بیشی نہیں کرسکتا۔ وہ خطبہ سننے کے بعد ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ آپ نے کہا تھا اس پر ہمارا ایمان تو ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لیکن معاف فرمایئے۔ ہم جو کچھ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ خدا کا فرمان تو یہ ہے کہ ظالم کی کھیتی کبھی پروان نہیں چڑھتی۔ ظلم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ بددیانتی اور بے ایمانی ہمیشہ نقصان دیتی ہے جو دوسرے کا بُرا کرتا ہے اس کا ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ جو مظلوم کو ستاتا ہے وہ کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا۔ جو غریبوں کو لوٹتا ہے وہ تباہ اور برباد ہوجاتا ہے۔ جو کمزوروں پر ہاتھ اٹھاتا ہے اس کے ہاتھ ٹوٹ جاتے ہیں۔ جو کسی کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود کنوئیں میں گرتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ دُنیا میں ہوتا اس کے بالکل اُلٹ ہے۔ دور کیوں جائیں۔ ہم نے خود پاکستان میں جو کچھ ہوتے دیکھا ہے وہ اس کی زندہ شہادت ہے کہ ظالم کی کھیتی پروان چڑھتی ہے اور مظلوم ہمیشہ تباہ اور برباد ہوتا ہے۔ دولت مند لوگ اپنی دولت کے نشے میں بدمست سب کچھ کرتے ہیں اور انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ وہ غریبوں پر ہر قسم کا ظلم ڈھاتے ہیں۔ وہ ان کی محنت کی کمائی اُن سے زبردستی چھین لیتے ہیں۔ اُن کے ہاتھوں نہ ان غریبوں کی جان محفوظ ہوتی ہے نہ مال۔ نہ عزت بچ کر رہتی ہے نہ آبرو۔ وہ دربدر دھکے کھاتے ہیں۔ ایک ایک کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ وہ ہر صاحبِ اقتدار سے عدل وانصاف کی بھیک مانگتے ہیں۔ لیکن ان کی جھولی میں کہیں سے ایک ٹکڑا نہیں پڑتا۔ ان ظالموں، خونخواروں کے گُتے ریشمی گدوں پر سوتے ہیں اور بیچاری بیواؤں کے یتیم بچوں کو سردی سے بچنے کے لئے لحاف تک نصیب نہیں ہوتا۔ معاف فرمایئے! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خدا کا قانونِ مکافات کہاں چلا جاتا ہے؟ ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ دیانتداری سے کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا یہ ہے کہ کاروبار چلتا ہی اس کا ہے جو بددیانتی کرے۔ ایمانداری سے کام کرنے والا چاردن میں اپنی پونجی بھی ضائع کر کے بیٹھ جاتا ہے لیکن بددیانتی کرنے والے سونے کے محلات بناتے چلے جاتے ہیں۔ معلوم نہیں خدا کا قانونِ مکافات کون سی دنیا میں چلتا ہے۔ ہماری دنیا میں تو یہی قانون ہے کہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔ ہمارے ہاں تو مسلسل یہی قانون چلتا آرہا ہے۔

جس شخص نے ہم سے یہ باتیں کیں وہ بڑا دکھی تھا۔ ہم نے بڑے اطمینان اور سکون سے ان باتوں کو سُنا۔ یہ باتیں تنہا اُس ایک شخص کے دل کی آواز نہیں تھی۔ ہزاروں، لاکھوں مظلوم انسان ہیں جن کے دل میں اسی قسم کے خیالات آتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ ان خیالات کو زبان تک لے آتے ہیں۔ باقی اپنے دل کے اندر رکھتے ہیں۔ یہ خیالات ایسے نہیں جنہیں یونہی سُن کر ٹال دیا جائے۔ ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ اگر خدا کا قانونِ مکافات برحق ہے (اور اس کے برحق ہونے میں کسے شبہ ہوسکتا ہے؟) تو پھر دنیا میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟

بات بڑی اہم ہے اس لئے اسے بڑی توجہ سے سُننا

چاہئے۔ اسے ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اکتوبر، نومبر کا مہینہ ہے۔ زمینیں گیہوں کی بوائی کے لئے تیار ہیں۔ اُن دنوں کسانوں کے گھروں میں عام طور پر غلے کی کمی ہوتی ہے لیکن انہوں نے بیج کے لئے غلہ سنبھال کر رکھا ہوتا ہے۔ دو کسان ہیں جن کے گھروں میں فاقوں تک کی نوبت آ رہی ہے۔ ان میں سے ایک کسان اپنے بیج کا غلہ لیتا ہے اور چکی پر جا کر آٹا پسوالاتا ہے۔ اس کے گھر میں رات کو تازہ تازہ گیہوں کی روٹیاں پکنے لگ جاتی ہیں۔ وہ اور اس کے بیوی بچے پیٹ بھر کر روٹی کھاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ان کی مصیبت کٹ گئی۔ دوسرا کسان غلہ باہر لے جاتا ہے اور کھیت میں بیج ڈال دیتا ہے۔ اس کے گھر میں بدستور تنگی رہتی ہے۔ اسے اور اس کے بیوی بچوں کو گیہوں کی روٹی دیکھنی تک نصیب نہیں ہوتی۔ یہ ہر روز کھیت پر جاتا ہے اور دن بھر محنت کرتا ہے۔ لیکن شام کو پھر خالی ہاتھ واپس گھر آ جاتا ہے۔ دوسرا کسان اپنا بیل بیچ کر چند دن کے لئے پھر مزے اڑاتا ہے۔ پھر زمین رہن رکھ دیتا ہے اور بڑی خوشحالی سے دن گزارتا ہے۔ لیکن اس کا ہمسایہ سخت مصیبت کے دن کاٹتا ہے۔ ایک مہینہ، دو مہینے، تین مہینے، چار مہینے، پانچ مہینے، چھ مہینے صبح سے شام اور شام سے صبح، برابر محنت کرتا ہے لیکن اسے کھیت میں سے ایک وقت کی روٹی بھی نہیں ملتی۔ اس کے بچے اس سے برابر پوچھتے رہتے ہیں کہ بابا! ہمارا ہمسایہ کوئی کام نہیں کرتا اور وہ اس کے بچے عیش اڑاتے ہیں، ہم دن رات محنت کرتے رہتے ہیں اور ہمیں ٹکڑا تک نصیب نہیں ہوتا۔ ہم نے سُنا تھا کہ محنت اپنا پھل لاتی ہے لیکن ہماری محنت تو کوئی پھل نہیں لاتی۔ ہم تو محنت کرتے ہیں اور خالی ہاتھ گھر آ جاتے ہیں وہ ان سے کہتا ہے کہ بیٹا! محنت اپنا پھل لاتی ہے۔ خدا کا قانون بالکل سچا ہے۔ لیکن بیج بونے اور فصل پکنے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ ایک مدت ہوتی ہے کوئی شخص اس وقفے کو کم نہیں کر سکتا۔ جو شخص ہمت اور استقلال سے اس دوران میں محنت کئے جاتا ہے اور حوصلہ نہیں ہارتا، اس کی محنت اپنے وقت پر پھل لا کر رہتی ہے۔ وہ انہیں یہ نصیحتیں کرتا رہتا ہے کہ اتنے میں کٹائی کے دن آ جاتے ہیں اور اس کسان کا سارا گھر غلے سے بھر جاتا ہے۔ اس کی محنت بالآخر پھل لاتی ہے: كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ (2:261) ''اس دانے کی طرح جو سات بالیں اگائے اور ہر ایک بال میں سو سو دانے ہوں۔'' اس طرح اس دیانتدار محنت کش کسان کو ایک ایک دانے کے بدلے سات سات سو دانے ملتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسرا کسان جس نے خدا کے قانون کو چھوڑ کر، بیج کے دانے پسوا لئے تھے، اس کا نہ گھر رہا نہ بار، نہ ڈھور ہے نہ ڈنگر۔ نہ کھیتی رہی نہ زمین۔ وہ مفلس اور قلاش ہو کر در بدر کی بھیک مانگنے لگ گیا۔

یہ کیفیت ہے خدا کے قانونِ مکافاتِ عمل کی۔ وہ بالکل برحق ہے۔ لیکن بیج کے بونے اور کھیتی کے پکنے میں وقت ضرور لگتا ہے۔ جو اس سے تنگ نہیں آتا اور ہمت اور استقلال سے تمام مشقتوں کو برداشت کرتا ہے اس کی کھیتی پروان چڑھ جاتی ہے۔ جو مایوس ہو کر، زمین میں بیج نہیں ڈالتا۔ یا جلد بازی میں سبز گیہوں بیلوں کو چرا دیتا ہے، وہ آخر الامر تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ یہی مثال ظالم کی ہے۔ اس کی کھیتی کبھی نہیں پنپتی۔ لیکن اس کے ظلم کرنے اور ظلم کا نتیجہ برآمد ہونے میں ایک وقفہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اس مہلت کے وقفے میں سمجھ جائے۔ اُسے ہوش آ جائے اور وہ ظلم کو چھوڑ کر مظلوموں کی امداد کرنے لگ جائے۔ وہ غریبوں سے ہمدردی کرے۔ وہ عدل اور انصاف کے راستے ہموار کر دے۔ وہ دیانت اور امانت پر کاربند ہو جائے۔ تو اس کے یہ نیک کام اس کی سابقہ برائیوں کے داغوں کو دھو ڈالتے ہیں۔ لیکن اگر

وہ ایسا نہ کرے اور اپنے ظلم اور سرکشی میں بڑھتا ہی چلا جائے تو پھر خدا کا قانون ایسے لوگوں سے پکار کر کہتا ہے کہ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْھُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝ (41-70:40) ''ہم اس پر قادر ہیں کہ ان کی جگہ ایسے لوگوں کو لے آئیں جو ان سے بہتر ہوں۔ دنیا میں کوئی قوت ایسی نہیں جو ہمیں ایسا کرنے سے روک دے۔ جو ہمیں عاجز کر دے۔ جو ہم سے آگے بڑھ جائے۔ چنانچہ وہ لوگ، جو ان سے بہتر ہوتے ہیں آتے ہیں اور ان کے ظلم اور سرکشی کے راستوں کو روک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی کلائیاں توڑ دیتے ہیں۔ یوں خدا کا قانونِ مکافات عذاب بن کر ان کے سر پر مسلط ہو جاتا ہے۔ سورہ انبیاء میں قرآن کریم نے ان کی اس کیفیت کو بڑے دلکش اور عبرت انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ جہاں کہا ہے کہ وَ کَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ کَانَتْ ظَالِمَۃً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَھَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ ۝ (21:11) ''کتنی ہی بستیاں ہم نے تباہ اور برباد کر دیں جن کے رہنے والے ظالم تھے۔ اور ان کے بعد ہم نے (ان کی جگہ) دوسرے لوگوں کو اٹھا کھڑا کیا۔'' فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا ھُمْ مِّنْھَا یَرْکُضُوْنَ ۝ (21:12)۔ ان ظالموں کی حالت یہ تھی، (وہ اپنی سرکشیوں میں مست تھے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں تھا کہ ان کے اعمال کے نتائج برآمد ہونے کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ) جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس شکل میں اپنے سامنے دیکھا تو اس سے بھاگنے لگے۔ ہمارے قانونِ مکافات نے پکارا کہ: لَا تَرْکُضُوْا (21:13) اب مت بھاگو۔ (تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے)۔ وَارْجِعُوْٓا اِلٰی مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْہِ وَمَسٰکِنِکُمْ (21:13) وہ بڑے بڑے محلات (جو تم نے غریبوں پر ظلم کر کے تعمیر کئے تھے) وہ تمہاری آسائش گاہیں (جن میں تم نے عیش و عشرت کے سامان جمع کر رکھے تھے) تم ان کی طرف واپس چلو۔ لَعَلَّکُمْ تُسْئَلُوْنَ ۝ (21:13) تا کہ تم سے پوچھا جائے (کہ تم نے یہ دولت کہاں سے لی تھی)۔ انہیں اس طرح پکڑا جائے گا۔ قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۝ (21:14) اور وہ اس کا اقرار کریں گے کہ ہم نے واقعی لوگوں پر ظلم اور زیادتی سے یہ سب کچھ اکٹھا کیا تھا۔ فَمَا زَالَتْ تِّلْکَ دَعْوٰىھُمْ حَتّٰی جَعَلْنٰھُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ۝ (21:15) وہ ایسا پکارتے رہیں گے۔ (لیکن اس وقت ان کا یہ اعتراف اور اقرار انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا)۔ ہمارا قانونِ مکافات انہیں ایسا بنا دے گا جیسے کٹے ہوئے کھیت۔ یا بجھے ہوئے شعلے (کہ جن کی صرف راکھ باقی رہ جائے)۔ یوں خدا کا قانونِ مکافات، ظالموں اور سرکشوں کو آخر الامر تباہ، اور برباد کر دیتا ہے۔

لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں وہ انہیں تباہ اور برباد کراتا ہے ان سے واضح الفاظ میں کہہ دیتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لینا کہ تم جو جی میں آئے کرو۔ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (10:14) پھر ہم نے ملک میں تمہیں ان کا جانشین بنایا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم کے کام کرتے ہو۔ انہوں نے ظلم کیا تو وہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ تم ظلم کرو گے تو تم بھی تباہ اور برباد ہو جاؤ گے۔ خدا کا قانونِ مکافات نہ کسی پر ظلم کرتا ہے۔ نہ کسی کی رعایت کرتا ہے۔

مسلمان وہ ہے جو اس حقیقت پر یقین رکھے کہ عمل اور اس کے نتیجے میں وقفہ ضرور ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ عملِ بد اپنا نتیجہ مرتب نہ کرے۔ ظلم کی کھیتی جھلس کر رہتی ہے خواہ اس میں کتنی دیر کیوں نہ لگے۔ والسلام

(مطبوعہ ماہنامہ طلوع اسلام 1979ء)

(جاری ہے)

شیخ اللہ دتا ایڈووکیٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علامہ محمد اقبالؒ کا دوسرا خواب

میں بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے موقع دیا کہ میں اپنا ایک احساس آپ کے سامنے پیش کر سکوں، وہ چیز جو میں نے حکم الامت علامہ محمد اقبالؒ سے اخذ کی، آپ کے سامنے لاؤں۔[1]

میری پیدائش علامہ مرحوم کی وفات کے دو سال بعد کی ہے۔ اِس وقت میں عمر کے چھہترویں سال میں ہوں۔ بات یہ ہونی چاہئے تھی کہ میں کتنا عرصہ علامہؒ کے ساتھ وابستہ رہا اور کیوں یہ بات ان کے حوالہ سے کہتا ہوں۔ میں جب بچہ تھا تو اس وقت علامہؒ معاشرے میں گونج رہے تھے۔ سکول، گلیاں، چوپال اور مسجدیں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں علامہ اقبالؒ کا کلام نہ پڑھا جاتا ہو۔ مجھے اپنا بچپن یاد ہے کہ بانگِ درا اور بالِ جبریل کی نظموں کی نظمیں لوگوں کو یاد تھیں اور مجھے بھی۔ اس ماحول نے میرے ذہن کے اوپر اثر کیا تو میں نے علامہؒ کے کلام کو گہرائی سے پڑھا اور یہ میرے تعلیمی نصاب میں بھی شامل تھا تو میں اس علم کی بنیاد پر جو مجھے وہاں سے حاصل ہوا، جو یقین مجھے حاصل ہوا، اپنا وہ احساس یا اپنا وہ تجزیہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

تجزیئے کا پہلا عنصر یہ ہے کہ علامہؒ دینِ اسلام کے بارے میں بہت گہری نظر رکھتے تھے۔ خصوصاً قرآنِ کریم کی یہ آیت (4:60) ان کے مدنظر تھی:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یَزۡعُمُوۡنَ اَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَحَاکَمُوۡۤا اِلَی الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ یَّکۡفُرُوۡا بِہٖ ؕ وَیُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اَنۡ یُّضِلَّہُمۡ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا ﴿۶۰﴾... (4:60)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا ہے تم پر اور اس پر بھی جو نازل کیا گیا ہے تم سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں یہ کہ رجوع کریں معاملات کے فیصلے کے لیے ''طاغوت'' کی طرف حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انکار کریں طاغوت کا۔ جبکہ چاہتا ہے شیطان یہی کہ لے جائے بھٹکا کر انہیں گمراہی میں بہت دور۔

---

[1] یہ خطاب اس سے قبل کم وبیش انہی الفاظ میں، اسلامک فلوسوفیکل ایسوسی ایشن پاکستان کے اجلاس مورخہ 11 نومبر 2015ء میں بمقام جم خانہ کلب لاہور اور دبستانِ اقبال کے اجلاس مورخہ 12 دسمبر 2015ء بمقام S-2 گلبرگ-II میں پیش کیا جا چکا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کی رو سے دعویٰ ایمان کے باوجود طاغوت کی حکومت میں اِرادتاً اور مطمئن رہنا دارالکفر میں رہنا ہے۔

اس اصول کی تائید سورۃ الانعام کی آیت 14:6 سے بھی ہوتی ہے:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿14﴾ (6:14)

ترجمہ: کہہ دو! بے شک مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ بنوں میں سب سے پہلا جس نے حکم مانا اور (یہ بھی کہ) ہرگز نہ شامل ہونا تم شریک بنانے والوں میں۔

علامہ اقبالؒ کے دور کے مسلمانوں کی حالت ہمیشہ انہیں بے چین رکھتی تھی کیونکہ نام کے مؤمنین کے بارے میں سورۃ یوسف میں یہ ارشاد ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿106﴾... (12:106)

ترجمہ: اور نہیں ایمان لاتے ان میں اکثر اللہ پر مگر اس طرح کر وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

میں یہ فرق کر رہا ہوں دین اور مذہب کا۔ مذہب انفرادی (individual) ہوتا ہے یعنی "Me and My God" اس کے لیے پرستش کی جاتی ہے، پوجا کی جاتی ہے۔ اور دین قانون کا نام ہے۔ یہ ایک نظام میں رائج ہوتا ہے۔ اس نظام کی ایک عملی شکل ہوتی ہے جس کے مطابق معاشرے کو چلایا جاتا ہے۔ اگر کوئی طریق کار ایسا ہو جو معاشرہ میں رائج ہو یا ہو سکتا ہو اور اس کی بنیاد پر اللہ کے بتائے ہوئے اچھے نتائج نکلیں تو وہ دین کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں تین جگہ ایک بات فرمائی ہے۔ میں اس ٹاپک (Topic) کے حوالہ سے بات کر رہا ہوں، اُس پس منظر کے لیے جو تصور (Idea) میں نے آپ کو سنانا ہے، وہ یہ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿9﴾

(48:28، 61:9، 9:33)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تا کہ اسے غالب کر دے سب ادیان پر خواہ کتنا ہی ناگوار ہو مشرکین کو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا ہدایت دے کر، اتنی سی بات نہیں ہے، آگے کہا و دین الحق اور ایک Establish ہونے والا System دے کر، ایک نظام دے کر، قانون دے کر جو معاشرہ میں رائج ہو کر اپنے صحیح نتائج دے گا۔ کیوں؟ کاہے کے لیے یہ دونوں چیزیں دیں؟ تا کہ خدا اور اس کا رسول اس دین کو، اس نظام کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔ غالب کرے تو پھر کچھ لوگوں کو تکلیف اور ناگواری تو ہوگی کیونکہ جن کے قانون کی جگہ خدا کی مرضی چلے گی، وہ لوگ جو مشرک ہیں۔ دیکھیں مشرک کہا ہے، کافر نہیں کہا، دو جگہوں پر کہا ہے کہ اگرچہ مشرک اسے ناگوار ہی کیوں نہ سمجھتے ہوں۔

میں یہ اس لیے بتا رہا ہوں کہ اگلی ساری بات سمجھ اس سے آئے گی کہ کتنے ہی لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں لیکن مشرک

کے مشرک ہی رہتے ہیں (سورہ یوسف آیت :106 پیش کی جا چکی ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ اگر کوئی اپنے جذبات کو، اپنے خیالات کو، اپنے قانون کو، اپنے رسم ورواج کو، اپنے نفس کی خواہشات کو بنیاد بناتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کا مرتکب ہوتا ہے چاہے اپنے آپ کو مومن، مسلمان ہی کیوں نہ تصور کرے۔

یہ تو صرف دین ہے جو بتاتا ہے کہ کون شخص مومن، مسلمان ہے۔ اگر دین نہ ہو تو پھر ہم مذہب پرست ہیں۔ جو عبادات کرتے ہیں، وہ پوجا پاٹ کہلاتی ہیں۔ دین کا جز و نہیں ہوتا۔ اس پس منظر میں آج جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، اس کو سنیں۔

پہلی بات ہے خواب کی، یہ جسے یہاں خواب کہا گیا ہے وہ ہمارے خواب نہیں کہ سوئے اور خواب دیکھ لیا۔ میں اس خواب کی بات نہیں کر رہا۔ اس کا ترجمہ ہے ''Vision''، نظارہ، آئینۂ ادراک وغیرہ۔

جس وقت علامہؒ نے ہوش سنبھالا اس وقت ساری دنیا میں پانچ بڑی ریاستوں کی حکومت تھی۔ یہ یوروپی استعمار پسند لوگ جو تھے انہوں نے ایشیاء، افریقہ، آسٹریلیا، شمالی وجنوبی امریکہ کے اکثر ممالک کو اپنے کنٹرول میں لیا ہوا تھا۔ ہندوستان جہاں علامہؒ پیدا ہوئے، وہ بھی اس وقت انگریزوں کی غلامی میں تھا، جہاں قانون دوسرے کا چل رہا تھا۔ دیکھیں جہاں قانون دوسرے کا چلے یا انسانوں کا خود ساختہ قانون چلے، وہاں دینِ حق نہیں ہوتا۔ جہاں دینِ حق نہیں ہوتا، وہاں ارادتاً اور مطمئن رہنے والے لوگ مشرک تو ہو سکتے ہیں لیکن صحیح Islamic status enjoy نہیں کر سکتے۔ یہ تھی وہ تکلیف جو علامہؒ کو بیدار رکھتی تھی۔ وہ کہتے تھے ''کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی''۔ وہ جو راتوں کو اٹھ کر سوچتے تھے، کچھ کہتے تھے قرآنِ کریم کے بارے میں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔۔۔ یہ وہ فرق تھا کہ دین تو خدا کا جب کسی مملکت میں رائج ہوگا وہ تب ہی اپنے حق کے نتائج پیدا کرے گا۔

اگر دین رائج نہیں ہوگا تو وہ نج کا معاملہ ہے، انفرادی سطح ہے، Individual level ہے۔ یہ ہندو لیڈر گاندھی کا رویّہ تو ہو سکتا ہے، خدا کا حکم نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ دین معاشرہ میں جب رائج ہو، خدا تعالیٰ کا کہنا رائج ہو، تو وہ دین ہوتا ہے۔ یہ تھی وہ کمی جس کے لئے وہ تڑپے:

❶ ازسہ قرن ایں امتِ خوار وزبوں زندہ بے سوز و سرورِ اندروں

❷ ساقیٔ دیرینہ را ساغر شکست بزمِ رندانِ حجازی بر شکست

❸ کعبہ آباد است از اصنامِ ما خندہ زن کفر است بر اسلامِ ما

لیکن مایوس ہونے کی بات نہیں، تم مسلمان ہو، تمہارے دل میں ایک آرزو رہنی چاہئے۔ انسان صاحبِ آرزو ہے۔ کیا تڑپ رہنی چاہئے کہ اُس دینِ حق کے لیے تمہاری کتنی کوشش ہے؟

---

❶ تین صدیوں سے یہ اُمت ذلیل وخوار ہو رہی ہے۔ سینے میں حرارت اور دل کے سرور کے بغیر زندہ ہے۔ ❷ توحید کے پرانے ساقی کا ساغر ٹوٹ چکا ہے۔ حجاز کے بے باک مجاہدین کی بزم قائم نہیں رہی ❸ اللہ کا گھر کعبہ آباد ہے لیکن وہاں توحیدِ باری تعالیٰ کے بجائے ہمارے اختراع کردہ بت پڑے ہوئے ہیں۔ بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ کافر اقوام ہمارے دین اسلام پر استہزاء کر رہے ہیں۔

مسلم اَستی سینہ را از آرزو آباد دار ہر زماں پیشِ نظر لاَ یُخْلِفُ الْمِیْعَاد دار

یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو مَیں

علامہؒ کہتے ہیں کہ جب میں اسلام کے ماضی پر ایک نظر ڈالتا ہوں تو مجھے کل کا چہرہ نظر آتا ہے، آج کا نہیں۔

نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا جسے آ گئی میسر مری شوخیٔ نظارہ

چشم بکشاے اگر چشم تو صاحب نظر است زندگی درپئے تعمیرِ جہانِ دِگر است

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

آنکھ کھول کر دیکھ اگر خانۂ چشم میں دیکھنے والی آنکھ ہے کہ فرنگی جُوا باز تمہارے ہاں سے دولت چھین کر لے جا رہا ہیں۔

Wealth is going from South to North, From East to West

لیکن یہ سلب ونہب کا دور ختم ہو رہا ہے۔ حالات بدل رہے ہیں۔

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں میری نواؤں میں ہے اس کی سَحَر بے حجاب

حادثہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے عکس اس کا میرے آئینۂ ادراک میں ہے

اس آئینۂ اُدراک کو انہوں نے Vision کہا ہے، خواب کہا ہے۔ یہ آئینۂ اُدراک ہے، کوئی معمولی بات نہیں ۔

دو عالم را تواں دیدن بہ بینائے کہ من دارم کجا چشمے کہ بیندآں تماشائے کہ من دارم

علامہؒ نے اس بے تابیِ تمنا کا اظہار یوں کیا ہے:

ازپئے قومے زِ خود نا محرمے خواستم از حق حیاتِ محکمے

درسکوتِ نیم شب بالا بُدم عالم اندر خواب ومن گریاں بُدم

جانم از صبر و سکوں محروم بود وردِ من یاحی و یاقیوم بود

آرزوئے داشتم خوں کردمش تازِ راہِ دیدہ بیروں کردمش

(ایک ایسی قوم کے بارے میں جو اپنے مقام سے آگاہ نہیں، میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ انہیں ٹھیک ٹھاک پائدار زندگی عطا فرما۔ سب لوگ سو رہے تھے اور میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میری جان صبر وسکون سے محروم تھی اور میں حی وقیوم سے دعا گو تھا۔ میری ایک آرزو تھی، وہ بیان کردی۔ کیسے بیان کردی؟ اُمڈتے آنسوؤں کے ساتھ میں نے اسے باہر نکال دیا۔)

یہ تھے وہ آنسو جو ان کی پہلے اور خصوصاً دوسرے خواب میں ظاہر ہوئے۔ یہ تھا وہ پس منظر۔ وہ کیوں یہ چاہتے تھے؟

دلِ زندہ سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نَو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اسے کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر
بدن اس تازہ جہاں کا ہے اسی کی کفِ خاک روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر

نیز یہ کہ ؎

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود کہ سنگ وخشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

یہ تھی وہ کیفیت جس کے اندر انہوں نے ایک خواب دیکھا جسے ہم خواب اوّل کہتے ہیں۔ ان کو موقع ملا متحدہ اور غلام ہندوستان کے اندر 1930ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الٰہ آباد کی صدارت کا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت کا آغاز ان الفاظ سے کیا:

''آپ حضرات نے آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اپنے اس عقیدہ میں مایوسی کا کوئی شائبہ نہیں پاتا کہ اسلام ایک زندہ اور پائندہ قوت ہے جو انسانی نگاہ کو جغرافیائی حدود وقیود کے قفس سے آزاد کر کے اسے اس کی فطری وسعتوں میں اذنِ بال کشائی دے گا۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ دین، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک اہم ترین قوت کا حامل ہے اور جسے اس کا محکم یقین ہے کہ اسلام خود تقدیرِ الٰہی ہے۔ زمانہ کی تقدیریں اس کے ہاتھ میں رہیں گی، اور اس کی تقدیر کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوگی۔ ایسا شخص مجبور ہے کہ تمام مسائل کو اپنے خاص زاویہ نگاہ سے دیکھے۔ یہ ہرگز نہ خیال فرمایئے کہ جس مسئلہ کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ کوئی نظری مسئلہ ہے۔ نہیں یہ تو ایک زندہ اور عملی مسئلہ ہے جو خود نفسِ اسلام پر بحیثیت ایک نظامِ حیات وعمل کے اثر انداز ہوگا۔ اس مسئلہ کے صحیح اور مناسب حل پر ہی اس امر کا انحصار ہے کہ آپ حضرات ہندوستان میں ممتاز تہذیب کے علمبرداروں کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں گے۔''

اس تمہید کے بعد انہوں نے، مذہب اور دین کے فرق کو ان الفاظ میں نمایاں کیا۔

''حقیقت یہ ہے کہ اسلام، خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی واسطہ کا نام نہیں۔ یہ ایک نظامِ حکومت ہے جس کی ہیئتِ ترکیبی میں یہ صلاحیت رکھی گئی ہے کہ وہ ہر عمل خیر کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اس نظام کا تعین اس وقت ہو چکا تھا جب کسی روسو کے دماغ میں ایسے نظام کا خیال تک بھی نہیں آیا تھا۔ اس نظام کی بنیاد ایک ایسے اخلاقی نصب العین پر رکھی گئی ہے جس کی رُو سے انسان جمادات اور نباتات کی طرح پابِگل مخلوق نہیں سمجھا جاتا کہ اس کو کبھی اِس خطۂ زمین سے منسوب کر دیا اور کبھی اس سے، بلکہ وہ ایک ایسی روحانی

ہستی سمجھا جاتا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ ایک خاص معاشرتی نظام کی مشینری میں اپنی جگہ فٹ ہو۔ وہ ایک فعال مشینری کا پُرزہ ہوتا ہے اور اسے ٹھیک انداز میں چلانے کے لیے اس پر حقوق و فرائض کی ذمّہ داریاں عائد ہوئی ہیں۔''

اس نظری بحث کے بعد وہ اس عملی سوال کی طرف آئے جس کے لیے یہ تمہید اٹھائی گئی تھی۔ اس ضمن میں انہوں نے کہا:

''ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدّنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک مخصوص علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ اگر یوں ایک مرکزیت قائم کر دی جائے تو یہ آخر الامر نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیاء کی گتھیاں سلجھا دے گا۔''

سچ کہا تھا اس دیدہ ور نے ؎

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

اُس وقت کے حالات کے مطابق اس مسئلہ کا انہوں نے عملی حل یہ بتایا کہ:

''میری آرزو یہ ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے۔۔۔ مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ شمالی مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقہ کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔''

انگریزی زبان میں ان کے الفاظ تھے:

"I would like to see the Punjab, North-West Frontier Province, Sind and Baluchistan amalgamated into a single State. Self-government within the British Empire, or without the British Empire, the formation of a consolidated North-West Indian Muslim State, appears to me to be the final destiny of the Muslims, at least of North-West India. "

اس مملکت کے قیام سے ہوگا کیا؟ فرمایا کہ:

''اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدّن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی رُوح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔''[1]

[1] علامہ اقبالؒ کا الٰہ آباد کے خطبۂ صدارت کی تفصیل طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی شائع کردہ کتاب ''اقبال اور قرآن'' جلد دوم صفحات 98 تا 101 سے حاصل کی گئی ہے۔

تو یہ تھا علامہؒ کا پہلا خواب۔ 1938ء میں وہ ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔ لیکن ان کے ساتھیوں نے 1940ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس مورخہ 23 مارچ کو لاہور میں ایک قرارداد منظور کی جس کی بنا پر قائداعظم محمد علی جناحؒ کے قیادت میں قوم نے وہ مملکت حاصل کر لی جس کا تصور علامہؒ نے 1930ء میں پیش کیا تھا۔

میرا آج کا موضوع ہے:

علامہ محمد اقبالؒ کا دوسرا خواب

(An other vision of Allama Muhammad Iqbal)

علامہؒ کے دل میں ایک تڑپ تھی کہ کہیں ہم مسلمان مشرکین میں تو شمار نہیں ہو رہے۔ یہ بات انہیں بیتاب رکھتی تھی۔ عالمِ اسلام کے متعلق طرح طرح کے خیالات ان کے ذہن میں آتے تھے۔ یہ ہو جائے یا یوں ہو جائے، مثلاً

ہو رہا ہے ایشیاء کا خرقۂ دیرینہ چاک — نوجواں اقوامِ نَو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

اس حالت میں کیا کیا جائے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے — نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر
تا خلافت کی بنا ہو دنیا میں پھر استوار — لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
طہران ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا — شاید کہ کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

وہ مسلمان سے مخاطب ہو کر کہتے تھے:

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا — کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلمان کی — ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

اقوامِ زمینِ ایشیاء کا پاسبان ہونے کی بات مدنظر رکھئے۔ یہ بات آگے آئے گی۔

وہ نوعِ انسانی کی وحدت کے قائل تھے۔ وہ اقوام کی شکل میں اس وحدت کو پارہ پارہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اسلام کی وحدتِ انسانی کی دعوت کو کامیاب دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے کہا

مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم

انہی خیالات میں ڈوبے وہ سفرِ یوروپ پر گئے۔ سپین بھی گئے۔ وہی سپین جہاں 800 سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی تھی، خلافت نہیں۔ وہاں ایک دریا ہے ''الکبیر'' اس کے کنارے بیٹھے ہوئے مستقبل میں جھانکنے لگے:

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
کونسی وادی میں ہے، کونسی منزل میں ہے — عشقِ بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

اس قسم کے خیالات ان کے دل میں موجزن رہتے تھے۔ یہی وہ پس منظر تھا جس کی بنا پر انہوں ایک اور پہلو پر کام کیا وہ اپنی آرزو کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے — جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
میں بندۂ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا — رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند
اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو — لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

نہاں خانۂ لاہوت سے تعلق کی بنا پر اپنے Vision، آئینۂ ادراک میں جھانک ایک تحریک (Movement) کو دیکھا جو لاہور سے شروع ہو کر ان علاقوں کی طرف جائے گی جہاں بخارا اور سمرقند واقع ہیں۔ اور بھی شہر تھے کسی کا نام نہیں لیا، لاہور کا نام لیا۔ وہ خود یہاں موجود تھے اور اس تحریک کا آغاز کر رہے تھے اور اس کے لیے ایک ولولۂ تازہ دیا۔

یہ ولولہ کیا ہے؟ ولولہ کسی مقصد میں سرگرمی، انتہائی سنجیدگی، مستعدی، جذباتی لگن، جوش و خروش، انہماک، چاؤ اور زندہ تمنا کو کہتے ہیں۔ چونکہ کام کی نوعیت بے حد توجہ اور محنت چاہتی تھی، اس لئے اپنے کم کوش ساتھیوں سے یوں مخاطب ہیں:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو — قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو — دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ — تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

پھر یہ بھی کہہ

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا — کہ اقوامِ زمیں ایشیا کا پاسباں تو ہے

اب علامہؒ نے ہفت کشور کہا ہے۔ خیال و تصور میں ہفت کشور سوچا۔ یہ پاکستان، افغانستان، تاجکستان، ازبکستان، کرغیزستان، ترکمانستان اور قازقستان، یہ سات ریاستیں ہیں جن میں ''ستان'' مشترک ہے یہ ساری اب خود مختار ریاستیں (Independent States) ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بلوچستان اور ایران کے ہاں بھی۔ دونوں صوبے (Provinces) ہیں، کشور (State) نہیں۔ کردستان ترکی میں، کردستان ایران میں، دونوں صوبے (Provinces) ہیں، Independent States نہیں۔ کشور Independent States کو کہتے ہیں اور اقلیم صوبے کو اس لئے کوئی اور خطہ Qualify نہیں کرتا۔ (ہندوستان ٹوٹنے کے بعد سرکاری طور پر اپنے کو بھارت کہتا ہے۔ وہ غیر مسلم ہے، اس صف میں نہیں آتا۔)

آپ نقشہ میں ان ریاستوں کو ملاحظہ فرمائیے اور ان کی بعض معلومات چارٹ میں دیکھیں۔


RUSSIA
60°N
80°N
Saratov
Samara
Omsk
Kustanay
Pavlodar
Barnaul
Ural'sk
Astana
Irtysh
Rubtsovsk
Volgograd
Karaganda
Krasnodar
Gur'yev
Astrakhan
KAZAKHSTAN
Semipaltinsk
Groznyy
Aral'sk
Balkhash
GEOKGIA
Tbdisi
Aral Sea
Kzyl-Orda
L.Balkhash
CASPIAN SEA
UZBEKISTAN
AZERBA-IJAN
Baku
Turkestan
Alma Ata
Tashauz
Bishkek
KIRGIZIA
Tabriz
Bukhara
Tashkent
Tarim
TURKMENISTAN
Kukuk
Ashkhabad
Samarkand
SINKIAN
Kashgar
TAJIKISTAN
Tehran
Dushanbe
Yarkand
Hamadan
Mashhad
Marv
CHINA
Khotan
Ahvaz
Esfahan
Herat
Kabul
Gilgit
Birjand
Peshawar
Jammu & Kashmir
TIBET
Abadan
AFGHANISTAN
IRAN
Kuwait City
Islamabad
Shiraz
Kanoahar
Lahore
Chandigarh
Zahedan
Quetta
BAHRAIN
Manamad
Saharanpur
Bandar Abbas
PAKISTAN
New Delhi
Kathmandu
QATAR
Doha
Aligarm
NEPAL
Indus
Abu Zhabi
Dubai
Gwadar
Hyderabad
Jodhpur
Kanpur
UNITED ARAB EMIRATES
Agra
Ganga
Karachi
Jaipur
Allahabad
Muscat
Al Hadd
Patna
INDIA
Junagarh
Ahmadabad
Calcutta
OMAN
ARABIAN SEA
Cuttack
Nagpur
Salalah
Mumbai
Vishakhapatnam
Pune
Hyderabad
Socotra (Yemen)
Kurnool
Nellore
Bangalore
Chennai
Laccadive Is. (India)
Mysore
Madurai
Jaffna
Kandy
Colombo
SRI LANKA

ہفت کشور

ملک کا نام	رقبہ مربع کلومیٹر	آبادی	دارالحکومت	مسلمان فیصد آبادی	خواندگی کی شرح فیصد	بڑی زبانیں	فی کس آمدنی	یوم آزادی
قزاقستان	2,717,300	18,960,352	آستانہ	70	99.8	رشین، قزاق	24,100 (2014)	16دسمبر1991ء
کرغیرستان	198,500	5,995,272	بشکیک	75	99.5	کرغیز	3300 (2014 est)	31اگست1991ء
ازبکستان	447,400	29,473,614	تاشقند	88	99.6	ازبک	5600 (2014 est)	1ستمبر1991ء
ترکمانستان	488,100	529,137	اشک آباد	89	99.7	ترکمان	14,200 (2014 est)	27اکتوبر1991ء
تاجکستان	143,100	8,330,946	دوشینے	99	99.8	تاجک	2700 (2014 est)	9ستمبر1991ء
افغانستان	647,500	33,332,204	کابل	99.70	38.2	دری، پشتو	1900	19اگست1919ء
پاکستان	796,095	201,995,536	اسلام آباد	96.40	57.9	اردو	4700	14اگست1947ء
میزان	5,437,995	303,779,241						
انڈیا (بھارت)	3,165,596	1,266,883,584	نئی دہلی	14	66	ہندی، انگلش	2960	15اگست1947ء
چین	9,571,300	1,366,993,920	بیجنگ	2.4	93.3	منڈرین، چینی	6020	1اکتوبر1949ء
ریاستہائے متحدہ امریکہ	9,629,047	325,245,056	واشنگٹن ڈی سی	1.9	99.0	انگلش	54,400	4جولائی1976ء
یونائٹڈ کنگڈم	244,100	64,430,428	لنڈن	11	99.0	انگلش	36130	یو کے 1801ء

چارٹ میں ان سب کی زبانیں الگ الگ لکھی ہوئی ہیں لیکن یہ الگ الگ نہیں ہیں۔ یہ سب دَری زبانیں ہیں۔ دری پرانی فارسی زبان ہے جسے پہلوی بھی کہتے ہیں۔ جدید فارسی سے لہجے کا فرق ہے۔ انہی علاقوں کے مسلمان حکمران اسے موجودہ پاکستان لائے تھے۔ اب یہ پاکستان میں کم اور اوپر تک زیادہ سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ علامہ مرحوم نے اسی زبان کو اپنے پیغام کا ذریعہ بنایا تھا۔ چنانچہ جاوید نامہ میں بعنوان ''حرکت بہ کاخ سلاطین مشرق'' نادر شاہ علامہ کو ان الفاظ میں خوش آمدید کہتا ہے ؎

خوش بیا اے نکتہ سنج خاوری اے کہ می زیبد ترا حرفِ دری

دری زبان کا پہلا رسم الخط ''عربی، فارسی'' From right to left تھا۔ روس نے اپنے دورِ استعماریت میں رومن، روسی انداز میں From left to right کر دیا اور اس میں کتابیں لکھوانا شروع کر دیں۔ اب ان کی جدید کتابیں اسی رسم الخط میں لکھی ہوئی ہیں لیکن پڑھتے وہی دری ہیں۔ البتہ سب پرانی کتابیں نئے لوگوں کے لیے بے کار ہو گئیں۔

ملاحظہ فرمائیں امریکہ (USA) کی آبادی اور ان ہفت کشور کی آبادی میں تھوڑا ہی فرق ہے لیکن USA کی 52 ریاستیں متحد ہو کر ایک ہو گئی ہیں اور دنیا کی عظیم طاقت شمار ہوتی ہیں اور آپ کی یہ سات ریاستیں ہیں، ان کی عالمی حیثیت کچھ نہیں۔ ان سات ریاستوں کے ساتھ ''ایک'' کہیں نہیں لگا ہوا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے ساتھ بھی ''ایک'' لگائیے۔ اپنا ایک نقطۂ نظر بنائیے۔ یہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک بے تیغ و تفنگ تسخیر ہو سکتی ہیں۔ لیکن ؎

روح از تن رفت و ہفت اندام ماند آدمیت کم شد و اقوام ماند

جسم کے اندر روح نہ رہے تو ہفت اندام (سر، دو ہاتھ، دو پاؤں، پیٹ اور سینہ) باقی رہ جاتے ہیں جو کسی کام نہیں آتے۔ اسی طرح یہ ہفت کشور، یہ ہفت اندام، واضح مسلم اکثریت کا علاقہ ہیں۔ یہ اقوام میں تبدیل ہو کر غیر مؤثر ہو گئے ہیں۔ ایک ولولۂ تازہ، اسلامی روح کے ساتھ یہ جسدِ واحد کی طرح فعال ہو جائیں تو وہ علاقہ جو صدیوں نہیں، ہزاروں سال تک تمدنِ انسانی میں نمایاں مقام کا حامل رہا ہے، دوبارہ اپنا شرف حاصل کر لے گا۔ اس کی یہ نشأۃ ثانیہ، ایشیاء کے مسائل کو گتھیاں

سلجھا دے گی اور وحدتِ انسانی کی منزل قریب تر ہو جائے گی۔

علامہ اقبالؒ نے اس بارے جسے خطرہ سمجھا وہ اسے بار بار دہراتے رہے۔ ان کے دور میں ابھی پاکستان آزاد نہیں ہوا تھا۔ افغانستان کے ہاتھ استعماری طاقتوں نے باندھ دیئے تھے۔ باقی 5 ریاستیں روس کی زیرِ حکمرانی تھیں۔ علامہ کی بصیرت نے قریب ایک صدی قبل یہ دیکھا کہ یہ ریاستیں بااختیار ہو جائیں گی اور Independant States۔ ''کشور'' بن جائیں گی۔ یہ بطور اقوام ابھریں گی اور ہفت اندام بے روح کی حیثیت اختیار کر لیں گی۔ اس نے قبل از وقت اس خطرے کو بھانپا اور وارننگ دی ؎

ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انساں کو — اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی، یہ افغانی وہ ایرانی — تو اے شرمندۂ ساحل اُچھل کر بے کراں ہو جا
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

اس لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے — نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاکِ کاشغر
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائے گا — ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی — اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

یہ وہ خطرات تھے جو علامہ اقبال کے دل میں کھٹکتے تھے۔ ان کی بصیرت، نورِ قرآنی سے استفادہ کرتی تھی۔ قرآنِ کریم نے سورہ شوریٰ میں فرمایا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ (42:13)

ترجمہ: اسی (اللہ) نے مقرر کیا ہے تمہارے لیے دین کا وہ طریقہ جس کی تاکید کی تھی اس نے نوحؑ کو اور یہی وہ دین ہے جسے وحی کیا ہے ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف اور وہ جس کا حکم دیا تھا ہم نے ابراہیم (علیہ السلام)، موسیٰ (علیہ السلام) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور وہ یہ ہے کہ ''قائم کرو دین کو اور نہ پھوٹ ڈالو اس میں''۔ بہت گراں ہے مشرکوں پر وہ بات، بلاتے ہو تم انہیں جس کی طرف۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے یہ وارننگ دی تھی۔ یہ خطرات تھے جنہیں ہم نے درخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ ان خطرات کو ''مشرکوں''، اسلامی نظام کی مخالفین نے سمجھا اور ہمیں گروہوں، فرقوں اور قوموں میں تقسیم کر دیا۔ آج ہمارے ملکوں میں NGOs کام کر رہی ہیں جنہیں بالعموم دوسرے ملک Sponsor کرتے ہیں۔ ان کے Ambassadors، ان کے خفیہ بھیجے ہوئے لوگ ہمیں اختلافات، گروہ بندی اور تفرقہ انگیزی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ دہشت گردی اسی کا نتیجہ ہے۔

یہ کچھ تو مشرکین، بظاہر مذہب پرست اور نظام اسلامی کے مخالف، کر رہے ہیں لیکن بحیثیت قوم ہم نے بھی مخالف سمت میں کچھ کردار ادا کیا ہے۔ گزشتہ 60 سال کے عرصہ میں علامہ اقبالؒ کو نصابِ تعلیمی سے غائب کر دیا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد کسی بھی جلسے کا آغاز تلاوتِ قرآن سے ہوتا تھا اور پھر کلام اقبال پیش کیا جاتا تھا۔ محفلوں اور تکیوں میں کلام اقبال گایا جاتا

تھا۔ مجھے ان کے گائے ہوئے اشعار اب بھی یاد ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ نوجوان جو گلیوں میں کلام اقبال گاتے پھرتے تھے، آج کیوں نہیں۔ علامہ اقبالؒ کا کوئی شعر حوالہ کے طور پر سند و تو کہتے ہیں کہاں لکھا ہوا ہے؟ علامہ اقبالؒ کو غائب کر دیا گیا ہے۔

پاکستان بننے کے بعد ابتدائی اور ثانوی کلاسوں میں فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ وہی فارسی جسے دری کہتے ہیں، وہ نہیں جو ایران سے آئی تھی۔ یہی اُسی علاقے سے آئی ہوئی فارسی جو حکمران ساتھ لائے تھے۔ کیا ہوا؟ اب فارسی کورس میں شامل ہی نہیں۔ فارسی پڑھانے کے لیے استاد ہی نہیں ہیں۔ یہ دو سازشیں ایسی ہوئیں۔ ایک روس نے اس علاقہ میں رسم الخط (Alphabet) تبدیل کیا تا کہ نئی نسل اپنے آباء کی کتابیں نہ پڑھ سکے۔ دوسرے ہمارے درمیان رابطہ استوار ہو سکتا تھا فارسی (دری) زبان کے ذریعے۔ وہ آئیں تو ہم ان کی بات سمجھ سکیں اور وہ ہماری۔ ان سارے علاقوں قازقستان سے لے کر پاکستان تک دری زبان سمجھی جاتی تھی۔ اس کو پاکستان سے غائب کیا گیا۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کو آپ Ignore نہیں کر سکتے۔ ان کا حل نکال سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی مشکلات ہیں۔ چند عشرے پہلے روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں بھیج دیں۔ روس چاہتا تھا ان علاقوں کا راستہ ہمارے بلوچستان میں سے گرم سمندری پانیوں تک بنا دے۔ امریکہ اس میں حائل ہوا۔ اس نے کہا ہم آپ (پاکستانیوں، افغانیوں) کے ساتھ ہیں۔ ہم نے روس کو افغانستان سے نکال دیا۔ اس کے نکلنے کے بعد یہ پانچ ریاستیں بھی آزاد ہو گئیں۔ قدرت آپ کا راستہ بنا رہی ہے۔ ہم نہیں بنا رہے۔

سیالکوٹ میں ایک پورٹ بنی ہوئی ہے، اسے ڈرائی پورٹ کہتے ہیں۔ لاہور میں بھی ہے۔ کراچی والی پورٹ کو Seaport کہتے ہیں۔ میں آپ کی توجہ ایک نہر کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ یہ نہر سویز ہے۔ یہ بحیرہ روم کو بحیرہ قلزم سے ملاتی ہے اور پھر Indian Ocean سے ملاتی ہے اور یوروپ کی ایشیائی اور مشرقی ممالک سے تجارت کا ذریعہ ہے وہ Wet canal ہے۔ ستر کی دہائی میں وہ نہر بند ہو گئی تو مصر نے واویلا مچایا کہ میری تو معیشت تباہ ہو گئی۔ مصر کا صدر شاہ فیصل کے پاس گیا کہ یا تو مجھے معاشی سہارا دیں یا اس نہر کو کھلوائیں۔ اتنی اہمیت تھی اس 100 میل لمبی WET CANAL کی۔ آپ کو قدرت نے ایک DRY CANAL دی ہے کہ پانی تو نہیں اس میں لیکن کینال کا جو فنکشن وہاں مصر میں ہے، وہ آپ کو یہاں میسر آ سکتا ہے۔ یہ نہر چین کاشغر سے چلے گی جو پہلے ہی پانچ اسلامی ریاستوں سے مواصلاتی طور پر ملا ہوا ہے اور پاکستان سے گزرتی ہوئی گوادر پورٹ تک جائے گی۔ یہ ڈرائی کینال ہے۔ اسے آپ محسوس (feel) کریں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کا کس طرح تصور کیا۔ انہوں نے نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند رکھا اور اپنے آئینۂ ادراک میں اس کی جھلک دیکھی۔

اس نے ہفت کشور کا نظارہ کیا۔ پھر اسے ہفت اندام کی صورت میں دیکھا۔ کہ ہفت اندام تو رہ گیا، قوم نہیں رہی، انسانیت نہیں رہی کہ محض اندام تو کچھ نہیں ہوتے لیکن وہ پُر اُمید تھے کہ ؎

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ سامان بھی ہے

یہ تھا علامہ اقبالؒ کا دوسرا خواب کہ ان کے کلام کے اثر سے ''ہفت کشور'' میں یکجہتی کا مرحلہ بالآخر پُرامن طریقہ سے طے ہو گا اور خلافت کی بِنا، دنیا میں پھر سے استوار ہو گی۔

عمر احمد عثمانی مرحوم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآنی معاشرہ

باہمی تعلقات کے متعلق قرآن کی تعلیم

(اس مضمون کی پچھلی قسط جونومبر 2018ء شائع ہوچکی ہے۔ میں یہ بتایا گیا تھا کہ والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہئے اور اس سلسلہ میں خود ان کی کیا ذمہ داریاں ہیں یہ مضمون اُسی کا بقیہ حصہ ہے۔)

وَعَشِیۡرَتُکُمۡ وَاَمۡوَالُ ۨ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۴﴾ (9:24)

اے پیغمبر! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں اور خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں تمہارے نزدیک خدا، اس کے رسول اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اس وقت کا انتظار کرو کہ خدا کا فیصلہ صادر ہوجائے۔ یاد رہے کہ خدا ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جو صحیح راستہ سے کترا کر نکل جانا چاہتے ہوں۔

لہٰذا قانونِ خداوندی سے اگر اولاد کی محبت ٹکراتی ہے تو ایسے موقعہ پر ہمیں اولاد کی محبت کو لامحالہ خیر باد کہہ دینا ہوگا۔ کیونکہ ایمان کی تو شرط ہی یہ ہے کہ ہر قیمت پر قانون خداوندی کی اطاعت کی جائے۔ خواہ اس کی زد ہمارے ماں باپ پر پڑتی ہو یا اولاد پر۔ اس کی زد اپنی بیوی پر پڑتی ہو یا خود اپنے نفس پر جو شخص قانونِ خداوندی کے مقابلہ میں ان رشتہ داروں کی محبت کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ قرآن کی نگاہ میں مومن ہی نہیں ہے۔

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَهُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَهُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡهُ ؕ وَیُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾ (58:22)

ترجمہ: اے پیغمبر اسلام! تمہیں ایسے لوگ نہیں ملیں

گے جو ایک طرف خدا اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہوں اور دوسری طرف ایسے لوگوں سے محبت بھی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں۔ خواہ ایسے لوگ ان کے ماں باپ، بیٹے، بھائی یا اہل خاندان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کی دولت لکھ دی ہے۔ وہ اپنی طرف سے وحی خداوندی کے ذریعہ سے ان کی تائید ونصرت کرتا ہے اور انہیں ایسے سدا بہار باغات میں داخل کر دیتا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ خدا ان سے راضی رہتا ہے اور وہ خدا سے راضی رہتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کی پارٹی ہیں اور واضح رہے کہ اللہ کی پارٹی ہی کی کھیتیاں پروان چڑھتی ہیں۔

ایک مومن کے دل میں قوانین خداوندی کی کشش وجاذبیت کے ساتھ ایسی اولاد کی محبت یکجا ہو ہی نہیں ہوسکتی جو ان قوانین کے خلاف جارہی ہو۔ ایک دل میں یا تو، خدا اور اس کے رسول کی محبت سما سکتی ہے اور یا اس کے مخالفین کی محبت، دونوں کی محبتیں بیک وقت ایک دل میں سما ہی نہیں سکتیں۔

والدین کو یہ حقیقت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے کہ خدا کی نافرمان اولاد ایک مومن کے خاندان کا فرد ہو ہی نہیں سکتی۔ اگر تمہاری اولاد خدا کی مطیع وفرمانبردار نہیں تو تمہارا اس سے کوئی علاقہ نہیں۔ وہ حیاتیاتی طور پر (Biologically) تمہاری اولاد ہوسکتی ہے مگر تمہارے ''اہل'' میں سے ہرگز نہیں کہی جاسکتی۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ (11:45-46)

اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا۔ خدایا میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور تیرا وعدہ (کہ میرے اہل وعیال طوفان سے محفوظ رہیں گے) تو سچا تھا اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (پھر میرا بیٹا طوفان میں کیوں غرق ہوگیا) خدا نے جواب دیا۔ اے نوح! تمہارا وہ بیٹا تمہارے اہل میں سے نہیں تھا۔ وہ غیر صالح اعمال کا مرتکب تھا (پھر وہ تمہارے اہل میں سے کیسے ہوسکتا ہے) تم مجھ سے ایسی بات کے متعلق سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہل لوگوں میں سے نہ ہوجاؤ۔

اس واقعہ کو بیان کرکے قرآن کریم نے اپنے اور پرائے کی وہ تفریق کردی ہے جس کے بعد کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں اپنا وہ ہے جو تمہارے نظریۂ زندگی یعنی (ideology) میں تمہارا ساتھی ہو اور تم سے متفق ہو۔ جو تمہارے نظریۂ زندگی میں تمہارا ساتھی نہیں۔ وہ تمہارا اپنا نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ تقسیم ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ نسل، رنگ، خون، زبان، ملک اور زمین کی اپنایت سے کوئی اپنا نہیں بن جاتا۔ نسلی اعتبار سے بیٹے کے مقابلہ میں اور کون

اپنا ہوسکتا تھا۔ لیکن قرآن کی نگاہ میں جب بیٹا بھی نظریۂ حیات کے اعتبار سے باپ سے الگ راہ اختیار کرے تو وہ بھی اپنا نہیں رہتا بلکہ وہ ہزار بیگانوں کا ایک بیگانہ بن جاتا ہے۔

اس حقیقت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور بھی واضح کر دیا ہے جہاں انہوں نے جناب باری میں یہ دعا مانگی ہے کہ:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (14:35)

یاد کرو جب ابراہیم نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار اس شہر کو پرامن شہر بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے محفوظ رکھنا۔ خدایا ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اس کے بعد جو میری پیروی کرے گا وہ میری اولاد ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا (تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا) البتہ خدایا تو سامان حفاظت عطا کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف وضاحت کے ساتھ فرما دیا ہے کہ میری اولاد میں سے جو میرا مطیع ہوگا وہ تو میری اولاد ہے اور جو میرا مطیع و فرمانبردار نہیں ہوگا اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ البتہ یہ نیک آرزو ان کے لیے ضرور ہے کہ خدا انہیں سامان حفاظت اور مرحمت سے نواز دے اور اس طرح ان کو ہدایت حاصل کرنے کی توفیق دے دے۔

اولاد کی صحیح تربیت:

جہاں تک جسمانی تربیت کا تعلق ہے یہ انسان کا جبلّی تقاضا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی نشوونما کی فکر کرتا ہی ہے۔ مگر ماں باپ کا اتنا ہی فریضہ نہیں ہے کہ وہ ان کو جسمانی طور پر پال پوس کر جوان کر دیں یہ کام تو حیوانات بھی کر دیتے ہیں انسان کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو صحیح معنوں میں انسان بنا دے۔ اس کی اخلاقی اور نظریاتی اعتبار سے ایسی تربیت کر دے کہ وہ سوسائٹی کے لیے مفید ثابت ہو سکے۔ اس کے اعمال و کردار پر نظر رکھے اور جہاں دیکھے کہ وہ راستہ سے بھٹک رہی ہے فوراً انہیں ٹوک دے اور صحیح راہ عمل اختیار کرنے کی تنبیہہ کر دے۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ (31:13)

یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ خدا کی ہستی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ بلاشبہ شرک کرنا بڑا ہی ظلم ہے۔

یہی کچھ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہم السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی تھی۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (2:132)

ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور پھر یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو یہی وصیت کی تھی کہ میرے بیٹو! خدا نے تمہارے لیے اس دین کو منتخب فرمایا ہے۔ لہٰذا تم

صرف اسی حالت میں موت سے ہمکنار ہونا کہ تم اس کے پورے پورے مطیع اور فرمانبردار ہو۔

حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے آخری وقت تک بھی اس فریضہ سے بے توجہی نہیں برتی۔ چنانچہ جب کشتی میں سوار ہونے لگے اور بیٹا پیٹھ موڑ کر جانے لگا تو انہوں نے اس وقت بھی اس کو پکارا اور فرمایا:

وَنَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ (11:42)

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ الگ ایک کنارہ پر کھڑا ہوا تھا (نوح نے کہا) بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھی نہ بنو۔

اولاد کے لیے نیک آرزوئیں:

والدین کو اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ نیک آرزوئیں رکھنی چاہئیں۔ ظاہر ہے کہ اولاد کے لیے انسان کے دل میں یہ نیک آرزوئیں بھی اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ ان کی اخلاقی اور نظری طور پر صحیح تربیت کرنے کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہوں۔ اگر یہ جذبہ ہی ان کے دل میں نہ ہو تو اس قسم کی نیک آرزوئیں کہاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جہاں بیٹے کی پیدائش کی دعا مانگی وہاں ساتھ ہی یہ دعا بھی مانگی۔

فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾ (19:6-5)

خدایا مجھے اپنے پاس سے ایک مددگار عطا فرما دے جو میرا اور اولاد یعقوب کا وارث ہو اور خدایا اسے پسندیدہ صورت و سیرت کا مالک بنانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا پہلے بھی گذر چکی ہے کہ انہوں نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا تھا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ (14:35)

یاد کرو کہ جب ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا کہ خدایا اس شہر کو پُرامن شہر بنا دینا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے محفوظ رکھنا کہ ہم بتوں کی پرستش میں لگ جائیں۔

حضرت مریم کی والدہ نے حضرت مریم کی پیدائش کے بعد بارگاہ ایزدی میں عرض کیا تھا۔

وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (3:36)

میں نے اس بچی کا نام مریم رکھا ہے اور خدایا! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

بلکہ تمام نیک بندوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد اپنے اخلاق اور کردار کے اعتبار سے بھی بلند تر مقام پر ہو۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾ (25:74)

اور (اللہ کے نیک بندے) وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی بیویوں اور اولادوں میں سے ایسی بیویاں اور اولادیں عطا فرما جن سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔ اور ہمیں ان لوگوں کا امام اور پیشوا بنا جو قانونِ خداوندی کی نگہداشت کرنا چاہتے ہیں۔

(جاری ہے)

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام میں دین و دنیا ایک ہوتے ہیں اس لئے اتباع دین کے دنیاوی مقاصد بھی حاصل ہوتے ہیں

انسان نے جب اس دنیا میں زندگی بسر کرنی شروع کی، تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی بعثت کا سلسلہ شروع کر دیا اور انبیاء کرام کے مبعوث کرنے کو انسانیت کے لئے ایک احسان قرار دیا ہے (3:164) ان تمام انبیاء کرام کے ساتھ کتاب بھی نازل ہوئی تھی۔ اور تمام کتب سماوی کا مقصد لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ط (2:213) ترجمہ: تاکہ یہ کتاب لوگوں کے اختلافات کے درمیان فیصلہ کرے۔ اس طرح تمام انبیاء کرامؑ دین قائم کرتے چلے آئے یہاں تک کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں ''ریاست مدینہ'' قائم فرمادی فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ (5:48)، اور حضور ﷺ کو بھی حکم ہوا کہ لوگوں میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کرو تمام انسانیت کو بھی حکم ہوا کہ جو قرآن کریم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر، ظالم اور فاسق ہے (44، 45، 5:47)، قرآن کریم صرف اپنے قوانین کو سند کرتا ہے باقی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو کفر، ظلم، اور فسق پر مبنی قرار دیتا ہے۔

قرآن کریم نے ''نفس انسانی'' کی پرورش کرنے کو انسان کی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ انسانوں نے جتنے بھی نظام بنائے، ان کے ہاں نفس کا تصور موجود نہیں ہے۔ ان کے وضع کردہ بیشتر نظاموں کا مقصد ''روح'' کی پرورش ہے ہر وہ نظام جو روح کی پرورش کے تصور پر قائم کیا جاتا ہے وہ نظام اس قوم کو اس دنیا میں زوال پذیر کرتا ہے اور اس قوم کو قعر مذلت میں ڈال دیتا ہے۔ قرآن کریم کا نظام وہ واحد نظام ہے جس میں ''جسم اور جان'' دونوں کی پرورش پیش نگاہ ہوتی ہے اور اس نظام پر عمل کرنے سے دنیاوی مقاصد اور اعلیٰ مراتب حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ دنیا میں اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے ہمارے اس دعویٰ کو ایک ہی آیۂ کریمہ میں Sum up کر دیا ہے جبکہ اس نے فرمایا: اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139) اگر تم مومن ہو، اس دین کا اتباع کرتے ہو تو تم دوسری قوموں سے برتر ہوگے۔ اس برتری حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دین کا اتباع کرو۔ جو قوم جس قدر دین کا اتباع کرے گی اسی قدر اقتدار اور غلبہ حاصل کرتی چلی جائے گی۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ مومن ہونا کوئی ذہنی یا فکری بات نہیں ہے۔ یہ عملی چیز ہے۔ یہ محسوس، ٹھوس چیز ہے۔ مشہود چیز ہے۔ دیکھنے کی چیز ہے۔ سامنے آجانے والی چیز ہے۔ اس دعویٰ کی تائید میں کہ اتباع دین سے دنیاوی مقاصد حاصل ہوتے ہیں

فرمایا: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ (4:141)، یہ ہو نہیں سکتا کہ دنیا میں غیر مسلم، کافر مومنوں پر غالب آ جائیں۔ یہاں الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ کبھی یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا ایسا کرے گا ہی نہیں، بالکل اس بات کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ محسوس، مرئی اور واقعی شے ہے۔ یہ ہے وہ کیفیت، اے وہ لوگو جو اپنے آپ کو یہ سمجھ کے دھوکہ دے رہے ہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ مومن ہیں۔ تم ایمان لاؤ اور ایمان لانے کی پہچان یہ ہے کہ باطل نظام میں رہنے والی قوم، حق کے نظام میں رہنے والی قوم پر غالب نہیں آسکتی یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اس بات کے ثبوت میں کہ اتباع دین سے دنیا میں غلبہ حاصل ہوتا ہے قرآن کریم کی بیشمار آیات پیش خدمت عالی کی جاسکتی ہے۔ جب حضور ﷺ کے دور میں اتباعِ دین کیا گیا تو مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا تھا۔ اس کا ذکر جو قرآن نے کیا ہے وہ ہم آئندہ سطور میں خدمت عالی کریں گے۔ ہمیں شرمندگی اس بات کی ہے کہ اس دورِ مبارک کے علاوہ ہم اپنی تائید اور سند میں مزید ثبوت اس لئے نہیں پیش کر سکتے کیونکہ پھر اتباع دین کسی جگہ ہوا ہی نہیں۔ البتہ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ نے جو دو قومی نظریہ پیش کیا تھا تو یہ اتباعِ دین تھا اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے کہ دین کے اتباع سے کس طرح اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ اس فرق کو آپ اس دور کے ہندی مسلمان اور پاکستانی مسلمانوں کے درمیان خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

پاکستان اسلامی مملکت نہیں ہے۔ لیکن اس کے اسلامی ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ ان امکانات کی وجہ سے 1965ء کی جنگ میں اللہ نے وہ بیشتر وعدے پورے کئے جو بدر کے میدان میں کئے گئے تھے۔ چونڈہ (سیالکوٹ) میں ٹینکوں کی لڑائی دنیا میں ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی تھی۔ پاکستان کی طرف سے 600 ٹینک لڑ رہے تھے۔ جنگ قادسیہ میں ایرانیوں کے پاس ہاتھی تھے۔ عربوں کے گھوڑوں نے ہاتھی نہیں دیکھے تھے اور ہاتھیوں سے ڈر کر اپنی فوج میں ہی گھس گئے اور اُنہیں کچلنے لگے۔ صحابہ کرامؓ جو بڑی بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ وہ یہ واقعہ دیکھ کے گھبرا گئے ان میں سے چند صحابہؓ نے جنہیں اپنی جان کی پروا نہیں تھی، ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹنی شروع کر دی۔ ہاتھیوں نے ان صحابہؓ کو کچل دیا اور اپنی فوج میں گھس کے ان کو روندنا شروع کر دیا۔ اس طرح صحابہؓ کی بہادری کی وجہ سے مسلمان فتح باب ہوئے۔ چونڈہ میں مسلمان سپاہی اپنے جسم پر بم باندھ کے ٹینکوں کے نیچے لیٹ گئے اور ٹینکوں کو بیکار کر دیا۔ ہمارے اپنے بھائی خواجہ محمد یونس شہید نے، دوارکا کے مقام پر کئی ہوائی جہاز تباہ کر کے، جام شہادت نوش کیا۔ وہ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ مسلمان فوج کی اس بہادری کی وجہ سے پاکستان نے ہندوستان کو شکست دی۔ ہمارے چند بھائی لندن، فرانس، نیو یارک، جرمنی وغیرہ میں رہ رہے تھے۔ وہ برابر خبریں دیتے رہے کہ ان ممالک کا پریس یہ اطلاع دے رہا ہے کہ پاکستان نے ہندوستان کو بہت ''پھینٹی'' لگائی ہے۔ قرآن کی رُو سے ہر مقام کے غیر مسلم مسلمانوں کے دشمن ہیں اس لئے BBC نے عمداً جھوٹی خبریں دیں اور یہ خبر شائع کی کہ ہندوستان نے لاہور Copture کر لیا ہے۔ اس زمانہ میں اومنی بس نمبر 1، کرشن نگر سے آرے بازار جاتی ہے۔ وہ بارڈر کے بالکل قریب تک جاتی تھی۔ BBC نے اس کا فوٹو بھی شائع کیا کہ لاہور نے Surrender کر دیا

ہے لیکن لاہور نے Surrender نہیں کیا تھا۔ اگلے روز پھر BBC نے معذرت بھی طبع کی۔ چونکہ اس جنگ کا کافی عرصہ گزر گیا ورنہ ہم اس وقت کے اخبارات کے تراشوں سے یہ ثابت کرتے کہ مسلمانوں نے کس بہادری اور شجاعت کے ساتھ اپنی جانیں پیش کیں اور کس طرح اللہ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کے قدموں کو ثابت کر دیا تھا۔ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (47:7) اللہ تمہیں ثابت قدم بنا دیتا ہے۔

حضور ﷺ کے دعویٰ رسالت کے جواب میں کفار کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے (25:7) اگر یہ رسول ہوتا تو اس کے پاس خزانہ ہوتا۔ باغات ہوتے فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (25:10) دیکھنا کتنے محلات تمہارے قبضے میں آئیں گے ایران کی فتح کے بعد جو مسلمانوں کو ملا، تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ قرآن نے جو وعدے کئے تھے ان میں سے ہر چیز مسلمانوں کو وہاں سے ملی۔ سورۂ احزاب میں ارشادِ عالی ہے وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ (33:27) ترجمہ: اے مومنو پھر خدا نے تمہیں ان مخالفین کی زمین کا، اور ان کے شہروں کا ان کا اموال کا مالک بنا دیا۔ اسی طرح خدا نے تمہیں ان ممالک کا مالک بنایا جن پر ابھی تک تمہارے پاؤں بھی نہیں پڑے تھے یہ ہے وہ تفصیل ونتائج جو اتباعِ دین کی وجہ سے حاصل ہوئے تھے۔

اتباعِ دین کے سلسلہ میں یہ فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (3:110)، تم بہترین قوم ہو جسے ہم نے پیدا کیا۔ ''خَيْرَ اُمَّةٍ'' جو قوم ہوگی وہ خود طاقت وقوت کی مالک ہوگی۔ خود مرفہ الحال، اور خوشگواریوں کی حامل ہوگی یہ چیز ہر اچھی قوم میں ہوسکتی ہے۔ قومیت اور قوم پرستی کی یہ خصوصیت ہوتی ہے۔ اس کا ہر فرد اپنی قوم کے لیے ہوتا ہے اور ہر فرد ہر کام اپنی قوم کے فائدہ کے لئے کرتا ہے اسی کو Patriotism کہا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم اس قوم کے لئے ارشاد کرتا ہے کہ یہ قوم لوگوں کے فائدہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اس قوم کا فرض ہے کہ یہ ساری انسانیت کے مفاد کو پیش نظر رکھے اور ہر انسان کو فائدہ پہنچائے ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' تمام نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ ''لِلنَّاسِ'' میں جو لام ہے یہ عربی قواعد میں لامِ نافع کہا جاتا ہے۔ یہ خیال میں رکھیں کہ جس قوم کو پوری انسانیت کی بھلائی کے لئے پیدا کیا جا رہا ہے، پہلے تو اس قوم کی حالت خود بہترین صورت میں ہونا ضروری ہے ۔ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (3:110)، اس قوم کا فریضہ یہ ہے کہ پوری انسانیت کے اندر یہ قوم جتنی چیزیں خدا کے قوانین کے مطابق Recognize کی گئی ہیں، ان کا یہ قوم حکم دے اور جو چیزیں قرآنِ کریم سند نہیں کرتا اُن سے یہ قوم سب کو منع کرے۔ اس آیۂ کریمہ میں حکم دینے کی بات ہو رہی ہے ہاتھ جوڑ کر، منتیں کرنا نہیں ہے۔ یہ تو خود ذلیل ہونے کی بات ہے۔ ہر وہ بات جو خدا کے قانون کے خلاف ہے اس کو روکنے کی قوت اس قوم میں ہونی چاہئے۔ یہ جو بات قرآن کے مطابق ہے۔ اس کو نافذ کرنے کی قوت بھی اس میں ہو۔ یہ دونوں چیزیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کس طرح ہوگی۔ اس کی بنیادی شرط کے متعلق فرمایا: وَتُؤْمِنُوْنَ

بِاللّٰہِ ط (3:110)، کہ تم اللہ پر ایمان لائے ہو۔ خدا پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ تم ایک مستحکم قوم ہو۔ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (61:4)، سیسہ پلائی ہوئی دیوار۔

اتباعِ دین سے امت کو وہ مقام ملتا ہے کہ وہ ساری انسانیت کی نگرانی کرتی ہے۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط (2:143) ترجمہ: اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت بنا دیا جو عالم گیر اور بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ نہ تو تم کسی طرف خود بخود جھکے ہوئے ہو۔ اور نہ ہی تم کسی سے بگڑے ہوئے ہو۔ تمہیں تو صرف عدل اور نگرانی کرنا ہے تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم ان تمام اقوام کا احتساب کرتے رہو اور تمہارا رسولؐ تمہارا سب کا نگران ہو۔ یہ نظام کوئی وقتی یا ہنگامی نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے کے لئے عمل میں آیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کا جانشین، جو اپنے اپنے دور میں اسلامی نظام کا سربراہ ہوگا وہ تمہاری نگرانی کرے گا۔ کیونکہ یہ بات ضروری ہے کہ خود تمہارے اعمال و افعال کا بھی کوئی نگراں ہو اور وہ تمہارے کردار پر نگاہ رکھے۔ وہ یہ بات دیکھتا رہے کہ تمہارا اپنا قدم خدا کے مقرر کردہ راستے سے تو منحرف نہیں ہو رہا ہے۔ یہ قرآنی نظام جو رسول اللہ ﷺ نے اور ان کے ساتھیوں نے بڑی محنت شاقہ کے بعد قائم کیا تھا۔ وہ مسلمانوں کی نگرانی کرے گا اور یہ نظام پوری نوعِ انسان کے اعمال کی نگرانی کرے گا۔ اس طرح ساری دنیا میں عدل قائم ہوگا اور پوری دنیا میں عدل و انصاف اور امن و سکون قائم رہے گا۔

سورہ توبہ میں ارشادِ عالی ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ (9:33) ترجمہ: اسی نے اپنے رسول کو ہدایت و دینِ الحق دے کر بھیجا تا کہ اس دین کو دیگر ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین اس کو کتنا ہی ناپسند کریں۔ یہ آیۂ کریمہ الفاظ کے تھوڑے سے ردوبدل مفہوم یہی ہے کہ اللہ کا دیا ہوا دین تمام ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس نظام کو جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی معرفت دنیا میں بھیجا ہے وہ باقی تمام نظام ہائے باطل کے اوپر غالب ہو کر رہے گا۔ شرط صرف اتنی ہے کہ مسلمان اس کا اتباع کریں۔

قرآن کریم میں ان آیات کے موجود ہونے کے باوجود مسلمان اس وقت ساری دنیا میں ذلیل و خوار ہیں اور سیکولر مزاج کے مسلمان اور غیر مسلم حضرات اس بارے میں اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کے دعوے تو پورے نہیں ہو رہے ہیں یہ اعتراض مخالفت کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور دیانتداری کی صورت میں بھی ہو سکتا۔ لیکن اس کی وجہ تلاش کرنے کے لئے کسی کمیشن یا JIT بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا بنیادی سبب واضح ہے کہ ہم مسلمانوں نے دین کا اتباع ترک کر دیا ہے۔ دین کو ہی لپیٹ کے رکھ دیا ہے اور اس وقت ساری دنیا میں مسلمان اسی وجہ سے ذلیل ہیں کہ انہوں نے دین کی بجائے مذہب کو اختیار کر رکھا ہے۔ دنیا میں تمام مسلمانوں کی ذلت کی وجہ ہمارا خود ساختہ مذہب ہے۔ دین خداوندی ہرگز نہیں ہے۔

یہ بات خوب واضح رہے کہ سیکولر ریاستوں میں نہ تو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کے معیار ہوتے ہیں، اور نہ ہی ان ریاستوں کی کوئی اساس ہوتی ہے اُن کے ہاں حق و باطل کا صرف ایک معیار ہوتا ہے کہ جو کام ان کی قوم کے لئے فائدہ

مند ہے وہ خیر ہے اور جو کام ان کی قوم کے لئے فائدہ مند نہیں ہے وہ شر ہے۔ یہ جو مختلف اقوام کے مختلف Heroes ہیں اور جن کے Statues ان اقوام نے بنا کر لگوائے ہوئے ہیں۔ یہ سب انسانیت کے ناسور ہیں۔ لندن میں پارلیمنٹ کے سامنے مسٹر چرچل کا Statue لگایا ہوا ہے۔ قریب ہی 4 سٹیچو اور ہیں۔ ان میں سے ایک لارڈ Canning کا ہے۔ جو ہندوستان میں 1857ء کے غدر کے دوران یہاں کے گورنر جنرل تھے۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو دوسو سال تک تگنی کا ناچ نچایا ہے۔ اسلامی نظام کی بنیاد نفسِ انسانی کا ارتقاء ہے۔ ہر وہ چیز جس سے نفس انسانی میں نشوونما ہوتی ہے وہ خیر ہے اور ہر وہ عمل جس سے نفس انسانی کمزور ہوتی ہے وہ شر ہے۔

آپ یہ ملاحظہ فرمائیں کہ جب کوئی شہری ان اقدار پر اس لئے عمل کرتا ہے کہ اس کا نفس اس عمل سے مستحکم ہو، تو ان میں سے ہر قدر پر عمل کرنے سے معاشرہ بھی ازخود بہتر ہوتا چلا جاتا ہے۔ قرآن نے فرمایا کہ: وَاَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ (13:17) جو چیز پوری انسانیت کو فائدہ دیتی ہے وہ دنیا میں باقی رہتی ہے۔ ان اقدار پر عمل کرنے سے کسی طرح غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر آپ غور فرمائیں۔ قرآنِ کریم تشدد کا سخت مخالف ہے۔ غلبہ تشدد کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن نے فرمایا جو قوم ایمان لاتی ہے اور اعمال صالح کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قوم کو غلبہ عنایت فرماتا ہے (24:55) اللہ ہر ایمان لانے اور اعمال صالحہ پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ غلبہ واقتدار کا حاصل ہونا بتاتا ہے۔ یہ کس طرح حاصل ہوتا ہے فرمایا: مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا ؕ اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ؕ (35:10) جو عزت وغلبہ چاہتا ہے تو یہ قوانین خداوندی پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ، خدا کے کلمات، نظریات زندگی اللہ کی طرف بلند ہوتے ہیں۔ اس آیت میں طیب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ شجر طیب کے متعلق ارشاد ہے کہ شجر طیب وہ ہوتا ہے جس میں عمدہ پھل آتے ہیں (14:24) اور شجر خبیث وہ ہوتا ہے جس میں پھل نہیں آتے (7:58) اس میں کلمہ کا لفظ بہت جامع لفظ ہے۔ قرآنِ کریم نے اس کو اقدار حیات یا آئیڈیالوجی کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ فرمایا خدا کی عطا کردہ آئیڈیالوجی وہ ہے جو نہایت عمدہ ثمرات ونتائج عطا کرتی ہے۔ کلمۂ طیب خدا کا عطا کردہ صحیح نظریۂ زندگی جس پر عمل کرنے سے بہترین ثمرات سامنے آتے ہیں۔ یہ خدا کی طرف بلند ہوتا جاتا ہے اور اوپر چڑھتا چلا جاتا ہے۔

آیۂ کریمہ میں اِلَیۡہِ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی اس کی طرف ''خدا کی طرف'' کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ (2:156) کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''ہم خدا کے ہیں اور ہم خدا کی طرف رجوع کریں گے۔ چونکہ انسان محسوسات کی دنیا کے باہر نہیں جاسکتا اس لئے مقام کا تصور اس کے ذہن میں ضرور آتا ہے لیکن قرآن کریم نے جو اس جگہ ''اِلَیۡہِ'' کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا کسی جگہ پر ہوتا ہے۔ جہاں انسان اس کی طرف جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے اس ''اِلَیۡہِ'' کو اس معنی میں لیا ہے کہ اس نے جو مقصد یا معینہ منزل مقرر کی ہے اس کی طرف جانا جب انبیاء

کرامؑ مختلف مقامات پر مبعوث ہوئے تھے تو وہ اپنی بعثت کے مقام سے اپنی دعوت شروع کر دیتے تھے۔ بعض انبیاء کرام اپنی دعوت میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اپنی بعثت کے مقام پر ہی اسلامی نظام قائم کر لیا۔ لیکن جو انبیاء کرامؑ اپنی بعثت کے مقام پر کامیاب نہیں ہوئے تو وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر وہیں بیٹھے نہیں رہتے تھے بلکہ انہوں نے دوسرے مقام کی طرف ہجرت کی اور اس دوسرے مقام پر نظام قائم کر لیا۔ حضور ﷺ نے بھی اسی طرح مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے مقام بعثت پر اسلامی نظام قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو حضرت ابراہیمؑ نے بھی ہجرت فرمائی تھی۔ اس ہجرت کے متعلق حضرت ابراہیم نے جو ارشاد فرمایا تھا قرآنِ کریم نے اس کو محفوظ کر لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا: اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ (37:99) ترجمہ: میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں، حضرت ابراہیمؑ نے فلسطین کی طرف ہجرت کی تھی اور ظاہر ہے کہ خدا فلسطین میں بیٹھا ہوا نہیں تھا۔ دوسرے مقام پر ہے (39:26) ترجمہ: میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں سورۃ الذاریات میں ہے فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰهِ (51:50) پس اللہ کی طرف بھاگو۔ یہاں بھی الی اللہ سے مراد یہ ہے کہ ہر نظام کو چھوڑ کر اسلامی نظام کی طرف بھاگ کے جاؤ۔ اس کی طرف دوڑ کے جاؤ۔ تیزی سے جاؤ۔ وقت بالکل ضائع نہ کرو۔ ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ الی اللہ یا الی ربی، الینا جو الفاظ آتے ہیں تو ان الفاظ سے مراد کوئی خاص مقام نہیں ہوتا بلکہ ان سے مراد وہ مقصد، وہ منزل ہوتی ہے جو خدا نے مقرر کی ہوئی ہوتی ہے اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ (35:10) کے معنی ہیں کہ اللہ نے جو نظام حیات، جو آئیڈیالوجی دی ہے وہ ضرور کامیاب ہوگی اور وہ کامیاب اس لئے ہوگی کہ: وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ ؕ (35:10) اور اعمال صالح اس کو کامیاب کرتے جائیں گے۔ عمل صالح بھی قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز میں جو کچھ بننے کی صلاحیت مضمر ہے، اس کا Potential اس چیز کے اندر موجود ہے تو جو اعمال اس چیز کی اس صلاحیت کو نشوونما دیتے ہیں وہ اعمال اس چیز کے لئے عمل صالح ہیں۔ جو اعمال اسلامی نظام کو برپا کرنے میں مدد دیں وہ سب اعمال عمل صالح میں شمار ہوں گے اور اس طرح مسلمانوں کو اتباعِ دین سے غلبہ و اقدار حاصل ہوتا ہے۔

قرآن کریم جو مستقل اقدار دیتا ہے۔ ان مستقل اقتدار میں چھ خصوصیات ہوتی ہیں۔

اصل کام ان مستقل اقدار کا یہ ہے کہ ان پر عمل کرنے سے نفس انسانی کو استحکام ملتا ہے ان اقدار پر عمل کرنے سے نفس انسانی اس درجہ مستحکم اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ یہ جسم انسانی کی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اور اعلیٰ مراتب حاصل کرتی چلی جاتی ہے۔ جو نفسِ انسانی زندگی کی اگلی نوع میں منتقل ہو جاتی ہے اور اعلیٰ مراتب حاصل کرتی جاتی ہے۔ قرآنِ کریم اس کو حقیقت میں داخل ہونے سے تعبیر کرتا ہے اور جو نفس انسانی زندگی کی اگلی نوع میں منتقل ہوتی، اور اسی نوع میں رُکی رہتی ہے قرآنِ کریم اس کو جہنم رسید ہونا کہتا ہے۔ قرآن کا ہر حکم اس کی اطاعت، عبادتِ خداوندی ہوتی ہے اور ہر حکم کی اطاعت سے نفس انسانی مستحکم ہوتی ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ (2:286)، اللہ تعالیٰ نے جو احکامات دیئے۔ ان احکامات کی اطاعت کرنے سے نفسِ انسانی مستحکم ہوتا ہے۔ اس آیت کے مفہوم کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے لَهَا مَا

كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط (2:286)، جو ذات جو بھی اچھا کام کرتی ہے اس کو اس کا فائدہ ملتا ہے اور جو ذات غلط کام کرتی ہے اسے اس کا نقصان پہنچتا ہے۔ قانون و احکامات خداوندی کی اطاعت کا مقصد نفس کو مزید استحکام دینا ہوتا ہے۔

مستقل اقدار پر عمل کرنے سے معاشرہ درست ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلامی نظام کی اساس نفس انسانی ہوتی ہے۔ احترام انسانیت ایک مستقل قدر ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (17:70) ہم نے بنی آدم کو تکریم دی۔ اس قدر پر عمل کرنے سے جہاں نفس انسانی کو استحکام ملتا ہے۔ وہاں اس سے معاشرہ بھی از خود بہتر ہوتا جاتا ہے۔ عدل کرنا ایک مستقل قدر ہے اِعْدِلُوْا ق هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز (5:8) عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب ہے اگرچہ اس قدر پر عمل اپنی ذات کے استحکام کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے اسلامی نظام میں ہر جگہ عدل پایا جائے گا اور ہر شخص کو عدل ملتا رہے گا۔ قرآن نے کہا کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری خود اٹھائے اس اصول پر عمل کرنے سے نفس کو استحکام ملتا ہے۔ نیز یہ کہ اس سے معاشرہ بھی درست ہوتا ہے۔ قرآن کی عطا کردہ ہر قدر پوری انسانیت کو فائدہ دیتی ہے۔ ان اقدار کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ Political Parlance میں یہی اقدار حقوق انسانی ہوتے ہیں۔ آپ قرآنی اقدار میں سے ایک ایک قدر کو اٹھا کر دیکھ لیں کہ ان سے حقوقِ انسانی ملنے ہیں یا نہیں۔ اور ان حقوق کو کسی حال میں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ سیکولر ریاستوں نے مختلف ادوار میں مختلف انسانی حقوق وضع کئے۔ جو ریاستیں مضبوط تھیں اور رعایا کمزور تھی انہوں نے اپنی رعایا کو بہت کم حقوق دیئے، لیکن جو حکومتیں کمزور تھیں، ان کی رعایا نے زیادہ حقوق حاصل کئے۔ لیکن قرآن کریم نے از خود تمام انسانوں کو برابر حقوق دیئے ہیں۔ جو مستقل اقدار پر عمل کرنے سے ملتے ہیں۔

عقل انسانی خیر و شر کا تعین نہیں کر سکتی قرآن نے فرمایا: وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ (2:216)، ترجمہ: شاید کہ تمہیں ایک چیز بُری لگے اور وہ تمہارے لئے اچھی ہو اور شاید کہ تمہیں کوئی چیز اچھی لگے اور وہ تمہارے لئے بُری ہو، اور اس بات کو اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ مغربی مفکرین کے نزدیک خیر و شر کے مسئلہ کا تعلق عقل سے ہے ہی نہیں ان کے نزدیک اس کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ عقل اس کا فیصلہ کرے۔ جذبات ہر شخص کے انفرادی ہوتے ہیں۔ اس لئے خیر و شر کا تصور بھی انفرادی ہے۔ اس لئے مغربی مفکرین کے نزدیک خیر و شر کا تعین بھی انفرادی ہے۔ ان کے ہاں مستقل خیر و شر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مستقل اقدار وضع ہو سکتے ہیں۔ ان مفکرین کے نزدیک اخلاق اور خیر و شر سوسائٹی کی پیداوار ہوتے ہیں۔

مستقل اقدار پر عمل صرف اسلامی نظام میں ہی ہو سکتا ہے سیکولر ریاستوں میں ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ ان مستقل اقدار پر عمل کرنے سے قوم کو اقتدار ملتا ہے اور نیاوی مقاصد حاصل ہوتے ہیں، اسی لئے اسلامی نظام کو قائم کرنا، ہر مسلمان پر لازمی اور واجب ہوتا ہے۔

جمیلہ خاتون پالوی، بھارت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواتین کا صفحہ

عورت اور قرآن

قرآن کریم پوری نوعِ انسانی کے لئے ضابطۂ ہدایت ہے اور چونکہ نوعِ انسانی میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اس لئے اس کی راہنمائی ان دونوں کے لئے ہے۔ اس راہنمائی میں بیشتر امور تو ایسے ہیں جو مرد اور عورت دونوں سے یکساں طور پر متعلق ہیں لیکن بعض امور ایسے بھی ہیں جو صرف مردوں سے متعلق ہیں اور بعض ایسے جن کا تعلق صرف عورتوں سے ہے۔ یہ امور جو خصوصیت سے عورتوں سے متعلق ہیں قرآن کی مختلف آیات میں بکھرے پڑے ہیں۔ محترمہ جمیلہ خاتون نے (جنہیں طلوعِ اسلام سے دیرینہ اور گہری دلچسپی تھی) عورتوں سے متعلق قرآنی تعلیم کو ایک کتابی شکل میں یکجا اور مربوط کر دیا اور اپنی اس کتاب کا نام رکھا ''عورت کا قرآن''۔ مطلب اس سے یہ ہے کہ جب ایک عورت قرآنِ کریم کا مطالعہ کرتی ہے تو وہ اس میں اپنے متعلق کیا کچھ لکھا پاتی ہے۔ چونکہ طلوعِ اسلام کے حلقہ میں خواتین کی تعداد کچھ کم نہیں اور قرآنی فکر کی نشر و اشاعت میں ان کی دلچسپی بھی بڑی گہری ہے، اس لئے ان کا ایک عرصہ سے تقاضا تھا کہ طلوعِ اسلام میں ایک مستقل عنوان ''عورتوں'' سے بھی متعلق ہونا چاہئے۔ خواتین کا دیرینہ تقاضا پورا کیا جا سکے۔ اس کے لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ قرآن کریم نے جو کچھ عورتوں کے متعلق کہا ہے اسے ایک عورت ہی کی زبان سے پیش کیا جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ہم نے محترمہ جمیلہ خاتون کی مذکورہ صدر کتاب کا انتخاب کیا ہے۔ مندرجہ عنوان (عورت اور قرآن) کے ماتحت یہ قندِ مکرر کے طور پر مسلسل شائع کیا جائے گا۔ (ادارہ)

پیش لفظ

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر زہرزہ نیست ہم قصہ عجیب و حدیثے غریب ہست

اللہ جانے اس کرۂ ارض پر ''اشرف المخلوقات'' کی آبادی کی ابتداء کب سے ہوئی؟ جب سے بھی ہوئی ہو، جب ہی سے ''عورت'' پر قہر ٹوٹنا شروع ہوا۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی رہیں مگر ''عورت'' بدستور پامال وخستہ حال رہی، ہمیشہ محزون وملول رہی۔ پیغمبر پر پیغمبر آتے رہے، ہر اُمت میں آتے رہے ہر مقام پر آتے رہے:

1۔ وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا (16:36)

اور ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور بھیجتے رہے ہیں۔

2۔ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ کُلَّمَا جَآءَ اُمَّۃً رَّسُوۡلُھَا کَذَّبُوۡہُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَھُمۡ

بَعْضًا (23:44)

پھر ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔۔۔سو ہم نے ایک کے بعد ایک کا نمبر لگا دیا۔

3۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ (35:24)

اور کوئی بھی اُمت ایسی نہیں ہوئی ہے جس میں کوئی نہ کوئی (بدعملی کے نتائج سے) ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔

4۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ (14:4)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو ان ہی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کے بھیجا تا کہ وہ ٹھکانے سے اُن سے گفتگو کر سکیں۔

اور ہر پیغمبر ایک خاص شریعت اور احکام لے لے کر آتے رہے:

1۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ (5:48)

تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے خاص شریعت اور خاص منہاج تجویز کی تھی۔

2۔ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ (13:38)

ہر زمانے کے مطابق خاص خاص احکام ہوتے ہیں۔

مگر نہ تو حضرت نوحؑ کی صدیوں کی تبلیغ نے ''عورت'' کو کوئی زندگی بخشی اور نہ حضرت ہودؑ و صالحؑ کی جاں کاہیوں نے اسے راحت پہنچائی۔ نہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت نے ''عورت'' کو قابلِ اعتبار سمجھا اور نہ حضرت اسمٰعیلؑ کی سیادت نے اسے سکون عطا کیا۔ نہ حضرت موسیٰؑ کی جلالت ''عورت'' کو مصیبت سے چھڑا سکی اور نہ حضرت سلیمانؑ کی سطوت نے اس کی نزاکت پر ترس کھایا۔ نہ حضرت زکریاؑ کی موعظت ''عورت'' کو پناہ دلا سکی اور نہ حضرت عیسیٰؑ کی حذاقت نے اس کے درد کی دوا کی [1]۔ نہ کرشن جی کا نغمہ ''عورت'' کا غم بھلا سکا نہ کنفیوشس کی عظمت اس کے آڑے آئی۔ ''عورت'' جانکنی کے جس عالم میں چلی آتی تھی بدستور وہی اس پر ستم کے پہاڑ جس طرح ٹوٹتے تھے ویسے ہی ہمیشہ ٹوٹتے رہے۔ ''کتاب'' پر ''کتاب'' اترتی رہی۔ ہر زبان میں اُترتی رہی۔ ہر پیغمبر کے ساتھ اُترتی رہی:

1۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (2:213)

پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجا جو ایمان و عمل کے اجر کی خوشخبری سناتے اور کفر و بدعملی کی سزا سے ڈراتے تھے اور ان نبیوں کے ساتھ کتابیں بھی سچائی کے ساتھ نازل کیں۔

2۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (57:25)

بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتابیں نازل کیں اور

[1] یعنی ان انبیائے کرامؑ کی طرف منسوب کردہ کتابیں جو اس وقت ہمارے پاس ہیں ان میں عورت کے دکھوں کا کوئی مداوا نہیں ملتا۔ ان کی اصلی تعلیم میں تو یہ مداوا ضرور موجود ہوگا۔ (طلوع اسلام)

انصاف کی ترازو بھی تاکہ وہ لوگ اعتدال پر قائم ہوں۔

مگر یہودیت کے صحائف ''توراۃ'' ہوں یا عیسائیت کی ''انجیل'' زرتشت کی ''اوستا'' اور ''وساتیر'' ہوں یا ہندومت کی ''گیتا''، ''رامائن''، ''وید''، ''شاستر'' اور ''پران'' بدھ مت کی ''ستہ''، ''وینایا'' اور ''ابھے دھما'' ہوں یا جین مت کی ''پرو'' اور ''انگ''۔ چینیوں کے کنفیوشس ازم کی ''شوکنگ''، ''شیہ کنگ''، ''ای''، ''لیکی''، ''کھونکھیو'' اور ''ہسیاس کنگ'' ہوں یا جاپانیوں کے ''شنٹوازم'' کی ''کوجی کی'' اور ''نیہوگی'' عورت کے لئے کوئی کتاب بھی سینہ سپر نہ ہوسکی۔ اس کو کسی صحیفے نے بھی سہارا نہ دیا۔ تآنکہ مکہ کی مقدس سرزمین پر، قبیلہ بنوزہرہ کی ایک دردمند عورت کے منور آغوش کو، ایک پیکرِ نور نے زینت بخشی، جسے دنیا کا سب سے بڑا انسان اخلاق کا سب سے اعلیٰ نمونہ، مظلوموں کا سب سے بڑا فریادرس، بے کسوں کا سب سے بڑا سہارا، غلاموں کا سب سے بڑا حامی اور یتیموں کا سب سے بڑا والی ﷺ کہا جاسکتا اور کہا جاتا ہے اور جس پر ''دین اسلام'' کے دستور العمل ''قرآن مجید'' نے نزول اجلال فرمایا۔ ''عورت'' کے درد کا سب سے پہلا اور آخری نسخہ ہے:

1۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (9:128)

تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ جن پر تمہارے نقصان کی بات بے حد گراں گزرتی ہے جو تمہارے فائدہ کے بڑے ہی خواہشمند رہتے ہیں اور مومنوں کے لیے تو بڑے ہی شفیق و مہربان ہیں۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ (10:57)

تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو سرزسر نصیحت ہے اور اندرونی امراض کے لیے شفاء ہے۔

بجز ''دین اسلام'' کی کتاب ''قرآن مجید'' کے سارے مذاہب عالم میں، کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جس میں ''عورت'' کی کمزوری، بے بسی، بدحالی اور کس مپرسی کا کچھ بھی پاس اور لحاظ کر کے اس کے کچھ حقوق متعین کئے ہوں یا کم از کم اُسے ''انسان'' ہی سمجھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ ''قرآن مجید'' تنہا کتابِ الٰہی ہے جس میں ''عورت'' کو بھی برابر کا ''انسان'' سمجھا اور تسلیم کیا گیا ہے اور اس کے حقوق بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ مگر کتاب ضخیم ہے اور اس میں کسی نسوانی مسئلہ کے تلاش کرنے یا اُس کے احاطہ کے لیے محنت درکار ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ''مسلمان عورت'' تعلیم سے بے بہرہ ہے اور کتاب ''عربی'' زبان میں ہے۔ لہٰذا ''مسلمان عورت'' قرآنی تعلیمات سے بے خبر اور احکامِ الٰہی کو، قرار واقعی جاننے سے قاصر و معذور ہے۔ (جاری ہے)

(مطبوعہ، ماہنامہ طلوع اسلام، فروری 1955ء)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط نمبر25)

دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

رحیم اور رحمان دونوں صفات نشوونما دینے کے لیے آتی ہیں۔ اب نشوونما کے دو الگ الگ طریقے ہمارے سامنے آ گئے۔ رحیم کا لفظ تدریجی Progressive نشوونما کے لیے آئے گا، اور جہاں یہ نشوونما Emergent ہوگی، وہاں رحمن کا لفظ آئے گا۔ ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ وحی اکتسابی علم نہیں ہے۔ وحی کا علم فجائی Emergent طور پہ ملتا ہے۔ چونکہ خدا کی صفت الرَّحۡمٰنِ (1:2) میں فجائی Emergent مفہوم پایا جاتا ہے، اس لئے کہا عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ (2:5) ''قرآن کی وحی رحمن نے دی'' یعنی خدا نے اپنی صفتِ رحمانیت کے تحت قرآن دیا۔ جو کچھ صفت رحمان کے تحت دیا گیا، وہ بھی تو پھر فجائی Emergent ہی ہوا یعنی وحی کے ذریعے دیئے جانے والے قرآن کی تعلیم بھی فجائی Emergent ہے۔ تعلیمِ قرآن کریم کے لیے، ایک لفظ الرحمن استعمال کر دینے سے، وحی کی ساری حقیقت اس کے اندر آ گئی۔ اب یہاں ہم وحی کے لغوی اور اصلاحی مفہوم سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے اس کا مُختصر جائزہ بطور علم پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وحی بطور ذریعہ علم:

وحی عام لغوی مفہوم میں پیغام، خفیہ اشارہ، الہام، دل میں ڈالا جانے والا خیال تحریر کیا جاتا ہے۔

راغب کی مفردات القرآن میں الوحی کے معنی اشارہ سریع کے ہیں۔ اور اس کے معنی سرعت کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہر تیز رفتار معاملہ کو امر وحی کہا جاتا ہے۔ اور یہ (وحی) کبھی رمز و تعریض کے طور پر بذریعہ کلام کے ہوتی ہے اور کبھی صوت مجرد کی صورت میں ہوتی ہے۔ اس میں ترکیب الفاظ نہیں ہوتی اور کبھی بذریعہ جوارح کے اور کبھی بذریعہ کتابت کے) تاج العروس میں الوحی سے مفہوم اشارہ، جس میں تیزی اور سرعت ہو، کتابت (یعنی لکھنا) بھی ہیں اور اوَحی کے معنی حکم کرنا۔ امر کرنا ہیں۔

وحی کے اصطلاحی مفہوم میں اِس کا تصور خدا کا پیغام لیا جاتا ہے جو اب مکمل اور نا قابل تغیر حالت میں قرآن کی دفتین میں اللہ نے محفوظ شکل میں قیامت تک نوع انسان کو دے دیا ہے۔ اسی کو نزول وحی کہتے ہیں۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ (2:97)

''اسے جبریل نے تیرے قلب پر نازل کیا ہے۔''

وحی کے متعلق ہمیں صرف اس بات پر ایمان رکھنا ہوتا ہے کہ وہ نبی کو منجاب اللہ ملتی ہے۔ وحی ایسی شے ہے، جس کے متعلق خدا نے محمد ﷺ سے کہلوا دیا کہ ''اس میں میری فکر کا، میرے کسب و ہنر کا، کوئی دخل نہیں ہے، نہ ہی وحی میرے خیالات اور خواہشات پر مبنی ہے'' 53/3۔ یہ وحی کا علم خدا کی طرف سے مجھے ملتا ہے۔ یعنی کائنات کے اندر جو راہ نمائی جبلّی طور پر ان کی فطرت میں رکھ دی جاتی ہے، وہ ان اشیاء کے علم، کسب و ہنر کا نتیجہ نہیں ہوتی، بلکہ وہ ان کے اندر خدا کی طرف سے رکھ دی گئی وحی ہوتی ہیں۔ لہٰذا مجبور اشیاء کے اندر ودیعت کردہ راہ نمائی کو ''وحی'' کہا گیا ہے۔ اشیائے کائنات میں ودیعت کردہ، رکھ دی گئی راہ نمائی کو ان اشیاء کی جبلّت Instinct کہا جاتا ہے، ان کی فطرت کہا جاتا ہے۔ مثلاً پانی کی فطرت ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہے۔ ایک خاص درجۂ حرارت پر جا کر پانی بخارات میں تبدیل ہو جائے، اور ایک خاص درجے پر پانی جم جائے۔ بکری کی فطرت ہے کہ وہ گوشت نہیں کھاتی اور شیر کی فطرت ہے کہ وہ گھاس نہیں کھاتا۔ جو فطرت کسی نوع کے ایک فرد کی ہوتی ہے، وہی فطرت اس نوع کے سارے افراد کی ہوتی ہے۔ گائے گوشت نہیں کھاتی تو دنیا کی ساری گائیں گوشت نہیں کھاتیں۔ انسان کے علاوہ جانداروں، اور جمادات میں یہ وحی، یہ راہ نمائی پیدائشی طور پر از خود موجود ہوتی ہے۔ مثلاً مرغی کا بچہ پانی کی طرف نہیں جاتا، جبکہ بطخ کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی پانی کی طرف دوڑتا ہے۔ گویا طبیعی اشیاء اور جانداروں میں ودیعت کردہ راہ نمائی کو قرآن نے وحی کہا ہے۔

اس کے برعکس انسان کے اختیار و ارادے کے پیش نظر، جو خدا ہی کا عطا کردہ ہے، انسانی زندگی بسر کرنے کے لئے، خدا نے وحی بذریعہ انبیاء کا طریق اپنایا ہے۔ انسانوں کے لئے وحی میں انبیاء کی اپنی فکر و سوچ کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ خدا اپنے قانون مشیّت کے مطابق، انسانوں میں سے ایک فرد کا انتخاب، وحی دینے کے لئے کرتا تھا۔ ہونے والے نبی کو ایک لمحہ پہلے تک یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ وہ نبی بننے والا ہے۔ قرآن میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ:

اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّکَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ ۚ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی (20:12)

یہ تو میں تیرا رب ہوں۔ تُو اب اس مقام تک آ پہنچا ہے، جہاں تیرے لئے عقل کے تجرباتی اور قیاسی طریق کی طول طویل مسافتیں لپیٹ دی گئی ہیں۔ اور اس کی جگہ وحی کا مقدس راستہ کھول دیا گیا ہے، جہاں حقائق از خود منکشف ہو کر سامنے آ جاتے ہیں۔ لہٰذا، اب (عقل کے) لمبے لمبے سفر طے کرنے کی بجائے، تو اپنے جوتے اتار کر اطمینان سے بیٹھ جا۔ تلاش حقیقت کا دور، اب ختم ہو گیا ہے (79:16)۔

فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡکَ ۚ (20:12) ''اپنے جوتے اتار دے''۔ کیوں اتار دے؟ اِنَّکَ بِالۡوَادِ الۡمُقَدَّسِ طُوًی (20:12)

لفظ طوٰی کا مادہ وہی ہے جس سے ہمارے ہاں لفظ ''طے'' بولا جاتا ہے۔ ہم ''طے'' کو سفر طے کرنے یا کسی چیز کو طے

کرنے یعنی سمیٹنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ کہا کہ اب تم منزل پر پہنچ گئے ہو۔ منزل پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے انسان جوتیاں ہی اتارا کرتے ہیں، جو اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ سفر طے ہو گیا ہے، یا کم از کم آج کا سفر طے ہوا۔ خدا نے اس انداز میں کہا ہے کہ ''اپنی جوتیاں اتار دو''، اب تم منزل پر پہنچ گئے ہو۔ اب راہ نمائی تمہیں بغیر کسی تگ وتاز کے ملے گی۔ اب تلاش حقیقت میں مزید سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اب تمہیں علم خداوندی براہِ راست ملے گا۔ نبوّت ملنے سے پہلے ایک نبی کی کیفیّت یہ ہوتی ہے کہ وہ تلاش حقیقت میں سرگرداں رہتا ہے (93:7)۔ وہ اپنے ماحول سے مطمئن نہیں ہوتا، کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے، اسی پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا تو بت پرستی ہے، لیکن حقیقت کیا ہے، اسے اس کا پتہ نہیں ہوتا۔ عربی کا ایک لفظ ہے ''وثن''، جس کے معنی ہیں جمود، اور یہ جمودیّت ہی کی وجہ سے اس کا ترجمہ ''بت'' کر لیا گیا ہے۔ جمود دراصل معبود کا نہیں ہوتا بلکہ یہ جو پوجنے والے پجاری ہوتے ہیں یہ ان کا ذہنی جمود ہوتا ہے۔

اسی کو وائٹ ہیڈ (1861-1974) نے کہا کہ ''مروجہ نظریات پر مطمئن ہو کر بیٹھ جانا بت پرستی ہے''۔ نبی کو ایک نظام حیات دے کر بھیجا جاتا تھا، جس کی وہ اپنے دلائل و براہین سے لوگوں کے سامنے وضاحت کرتا تھا، انہیں سمجھاتا تھا۔ وحی عطا کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ، اب اے نبی! تجھے عقل کے تجرباتی طریق پر حقائق کی تلاش میں طول طویل مسافتیں طے نہیں کرنا پڑیں گی۔ اب حقائق تجھ پر وحی کے ذریعے خود آشکارہ ہوں گے۔ جوتیاں اتار دینا ایک استعارہ ہے منزل پر پہنچنے کا۔ اگر وحی کے ذریعے راہ نمائی نہ ملتی تو انسان چھوٹی سی عمر میں کیا حقائق تلاش کر لیتا؟ کیا ہر شخص کے لئے ممکن تھا کہ وہ تجرباتی طریق سے ان حقیقتوں کو پا سکے؟ یہ تو خدا کی خاص ربوبیّت اور رحمت ہے۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (20:12) مقدس یا جسے تقدیس کہتے ہیں، اس کے معنی ہوتے ہیں ''دور تک چلے جانا'' یعنی پروگرام کی تکمیل کے لئے جتنی بھی دور جانا پڑے، چلے جانا۔ طُوًی کے معنی ہیں ''طول طویل مسافت کو لپیٹ کر راستے کو بہت مختصر کر دینا''۔ کہا یہ گیا ہے کہ عقل کے تجرباتی اور قیاسی طریق کی جگہ اب وحی کا مسافتوں کو سمیٹنے والا راستہ کھول دیا گیا ہے، جہاں حقائق از خود منکشف ہو کر نبی کے سامنے آجاتے ہیں۔

وحی کی ماہیّت اور کیفیّت کو غیر از نبی جان ہی نہیں سکتا، یعنی وحی کیا ہوتی تھی؟ کیسے ملتی تھی؟ اس کی کیفیّت کیا ہوتی تھی؟ ملنے کا طریقہ کیا ہوتا تھا؟ قرآن ان ساری باتوں کو عالم امر سے متعلق بتاتا ہے۔ عالم امر کے متعلق نہ ہم کچھ جانتے ہیں اور نہ ہی جان سکتے ہیں۔ یہ خالص خدا کے عمل کا میدان ہے، جہاں ساری چیزیں خدا کے پروگرام کے مطابق، اس کی پلاننگ کے مطابق طے پاتی ہیں۔ ''عالم امر سے متعلق علم، وحی کے ذریعے بہت تھوڑا دیا گیا ہے'' (15:85) وحی عالم امر کی شے ہے، اور ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے، لیکن جب عالم امر سے خدا وحی کو عالم خلق میں عطا کر دیتا ہے، اور یہ الفاظ اور حروف کی شکل میں ڈھل جاتی ہے تو یہ عالم خلق کی چیز ہو گئی، اور اب یہ ہماری سمجھ میں آسکتی ہے، یعنی وحی کی تعلیم تو ہماری سمجھ میں آسکتی ہے۔ وحی ہوتی کیا تھی؟ کیسے ملتی تھی؟ یہ نبی کے سوا کسی اور کی سمجھ میں نہیں آسکتی، اور نہ ہی نبی، اس کی کیفیت و ماہیت کو کسی

دوسرے کو سمجھا سکتا تھا۔ وحی وصول کرنا خالصتاً نبی کی انفرادی چیز ہوتی تھی۔

طبیعی کائنات اور انسانوں کی وحی کے علاوہ ایک اور وحی ہوتی تھی، جو وقت کے نبی کے ذریعے انسانوں تک پہنچائی جاتی تھی مثلاً موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی (28:7) اور عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرف وحی 5:111۔ موسیٰ کی ماں کو کسی نبی نے خدا کا پیغام پہنچایا تھا، اور حواریوں کے لئے پیغام کے لئے تو خود عیسیٰؑ ان میں موجود تھے۔ عرب وحی کے لفظ سے نا آشنا نہیں تھے۔ کوئی حکم جو کسی دوسرے کی طرف بھیجا جائے، خواہ اس کا کوئی بھی ذریعہ ہو، وہ اسے وحی کہتے تھے۔ ام موسیٰ کی طرف خدا نے اپنے کسی نبی کے ذریعے ایک پیغام بھیجا۔ عربی قاعدہ کی رو سے اسے ''اوحٰی'' کہیں گے۔ کسی ایک ہی ذریعے سے کوئی خبر کسی دوسرے تک پہنچنا، اس شرط کے ساتھ کہ اس کو علم ہو جائے کہ یہ پیغام کس کی طرف سے ہے، یہ وحی کہلاتا ہے۔ یہ ہے ام موسیٰؑ کی وحی (28:7)، یہ بھی یاد رہے کہ جب غیر نبی کی طرف (وحی) پیغام ہو تو اس کے ساتھ ''اِلٰی'' آتا ہے جیسے وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (16:68) اور وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (28:7) اور جب نبی کو وحی دینے کی بات ہو تو لفظ ''اِلیہ'' آتا ہے۔

عقل بغیر وحی کی روشنی کے، اپنے فریضہ بہبودِ خود بیں ہی کے ''تحفظ خویش'' گرد گھومتی رہتی ہے اور اپنے مفاد سے آگے بڑھ کر مفادِ غیر دیکھ ہی نہیں سکتی۔

وحی کے بغیر عقل کا حقیقتِ کاملہ کے فہم کا دائرہ کار:

ہمیں معلوم ہے کہ:

1۔ حقیقتِ کاملہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو ''دیکھا'' جا سکے۔ کیونکہ یہ کوئی ''چیز'' نہیں ہے۔

2۔ حقیقتِ کاملہ کوئی ایسی شئے نہیں کہ جس کو مکمل طور پر ''سمجھا'' جا سکے۔ کیونکہ یہ لامحدود ہے۔

3۔ حقیقتِ کاملہ منزل نہیں ہے اور کوئی ہماری راہنمائی اس تک نہیں کر سکتا کیونکہ حقیقت کوئی ''جگہ'' نہیں ہے کہ جہاں تک کا سفر طے کیا جائے۔

ہم تو بس اس کو اپنی محدودیت کی حد تک سمجھنے کی کوشش ہی کر سکتے ہیں اور جتنی کوشش کریں گے اتنا ہی حقیقت کے نزدیک تر ہوتے جائیں گے۔۔۔ لیکن ہم حقیتِ کاملہ تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔

حقیقت آشنائی کا طریقہ سائنسی طریقے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ وہ تھیوری پیش کرتے ہیں لیکن اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس کو بھی مسلسل تشکیک و تجربات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ جب وہ تھیوری (اگر) غلط ثابت ہو جاتی ہے تو انہیں اس تھیوری کو رد کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

لہٰذا الحق کی تلاش میں جو عقیدہ بھی پیش کیا جائے اس کو پرکھیں، اس کا عقلی جائزہ لیں۔ مذہب کیوں شک کی حوصلہ شکنی کرتا ہے؟ کیونکہ مذہب گھڑنے والے جانتے ہیں کہ یہی وہ اوزار ہے جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرتا ہے۔ جب آپ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ایمان شک سے بالاتر ہے تو آپ اس پہ شبہ نہیں کرتے۔ جب آپ شبہ نہیں کرتے تو آپ تلاش، تحقیق، جستجو

نہیں کرتے اور جب آپ کھوج نہیں لگاتے تو آپ بھٹک جاتے ہیں۔ ہمیں جان لینا چاہیئے کہ اللہ کی طرف سے انسان کو ودیعت کردہ علم کی صلاحیت لامحدود نہیں بلکہ محدود ہے۔

اور یہ اس لیے کہ انسان، انسان ہے، خدا نہیں۔ انسان اپنی صلاحیتوں کے مطابق ہی جان سکتا ہے، اس سے بڑھ کر نہ وہ جان سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے۔ قرآن سے بھی ہمیں اِس کی تائید حاصل ہوتی ہے۔

وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾ (2:216)

''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ (2:255)

''(خدائی علم میں انسان کو اتنا ہی دیا گیا جتنا مشیت خداوندی کو مقصود تھا) اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت ادراک میں نہیں آسکتی اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔''

وَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا (17:85)

انسان کو علم تھوڑا دیا گیا ہے۔

انسانی علم کے بالمقابل اللہ کا علم لامحدود ہے، جسے وحی کی شکل میں الٰہہ کے رسول پیش کرتے رہے ہیں۔ حکمائے مغرب کے انسانی عقل کے علاوہ علم کے انکار کے باوجود قرآن سے ہمیں انسانی علم کی کمی کو دور کرنے کے لئے وحی بطور ذریعۂ علم کی سہولت قرآن کی دَفتین میں محفوظ شکل دستیاب کی گئی ہے۔

اب یہاں ہم وحی کے لغوی اور اصلاحی مفہوم سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے اِس کا مُختصر جائزہ بطور علم پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

وحی لانے والے نبیؑ/رسولؑ کا مقام:

الوحی کے عنوان میں ہم وحی اور وحی کو لانے والے نبی کی ذرا تفصیل سے وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تمام مذاہب میں ایک متفقہ تصوّر ہے کہ ان کے ہاں جو رسول تھے یا جن کو مذہب کا بانی کہا جاتا ہے، وہ سب فوق البشر ہوتے تھے، اور ان کی شان الوہیّت کی ہوتی ہے۔ مذاہب کے برعکس قرآن نے خود رسول اللہ ﷺ سے کہلوایا کہ:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ (18:110)

میں بھی تم جیسا ایک بشر ہی ہوں، میری امتیازی حیثیّت یہ ہے کہ ''مجھ پر خدا وحی بھیجتا ہے۔''

اس سے آگے ہے کہ:

وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا (18:110)

''اس کائنات میں صاحب اقتدار صرف خدا کی ایک ذات ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔''

وحی ایسی شی ہے، جس کے متعلق خدا نے محمد ﷺ سے کہلوا دیا کہ:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ (53:3)

''اس میں میری فکر کا، میرے کسب و ہنر کا، کوئی دخل نہیں ہے، نہ ہی وحی میرے خیالات اور خواہشات پر مبنی ہے''۔

یہ وحی کا علم خدا کی طرف سے مجھے ملتا ہے۔ نبوّت سے مراد خدا کی طرف سے وحی کا ملنا ہے، اور رسالت سے مراد وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچانا ہے۔ وحی کے ملنے سے رسول فوق البشر نہیں ہو جاتا تھا۔ وحی وصول کرتے ہوئے بطور نبی وہ دوسرے لوگوں سے ضرور ممتاز ہوتا تھا، اس کے بعد وحی کو لوگوں تک پہنچا دینے کے بعد فریضہ رسالت ختم ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد اگر حالات سازگار ہیں، تو قوانین خداوندی پر مبنی نظام خداوندی کی تشکیل بھی رسالت کے فریضے میں آتا تھا۔ وحی لوگوں تک پہنچا دینے کے بعد رسول بھی عام لوگوں کی مانند ہو جاتا۔ رسول پر بھی وحی پر ایمان لانا، اسی طرح ضروری ہوتا تھا جیسا کہ عام آدمی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اپنی وحی پر سب سے پہلے ایمان لاتا تھا، اور اس کا اتّباع بھی کرتا تھا وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (6:163)۔ قرآن میں جتنے احکام خدا نے مسلمانوں کے اوپر فرض کیے ہیں، وہ سارے کے سارے رسول اللہ ﷺ پر بھی فرض تھے۔ عرب خدا کو مانتے تھے اور اس کا تصوّر موجود تھا، جیسے کہ رسول اللہ ﷺ کے والد گرامی کے نام عبداللہ سے ظاہر ہے۔ فوق البشر عقیدہ کے ردّ کے طور پر ہمارے توکلمے میں عَبدُہ وَرَسُولُہ ''خدا کا بندہ اور رسول'' ہے۔ قرآن نے نبی یا رسول کے لئے کسی قسم کی الوہیّت نہیں بتائی ہے۔ خدا نے رسول، بشر کو بنایا اور اس کے اسوہ کو انسانوں کے لئے نمونہ قرار دیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (33:21)

وحی کو قرآن نے الحق بھی کہا ہے۔ جواب مکمل طور پر قرآن کریم کے اندر محفوظ ہونے کے علاوہ الحق ہے جس کی تلاش عِلم کا مقصود ہوتا ہے۔

الوحی کا بطور الحق کا قرآنی تصور:

حق کے لغوی اور اصطلاحی معنی ہیں کہ کسی چیز کا اس طرح موجود ہو جانا، واقع ہو جانا اور ثابت ہو جانا کہ اس کے واقع ہونے پر اس کے وجود سے انکار نہ کیا جا سکے، اسے حق کہتے ہیں۔ کسی شے کا موجود ہونا اسی وقت ثابت ہوگا، جب شے کا ہمارے حواس احاطہ کر لیں، یعنی شے ٹھوس شکل اختیار کر لے۔ چنانچہ تحقیق کے معنی ہیں کپڑے کو نہایت مضبوطی کے ساتھ تعمیری انداز میں بننا۔ نیز ہر اُس موجود چیز کو حق کہتے ہیں، جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے حق کوئی ذہنی، نظری، تصوراتی یا محض عقیدہ کی چیز نہیں۔ یہ عقائد اور نظریات کے تعمیری نتائج کا نام ہے، جو ٹھوس شکل میں سامنے آجائیں اور اپنی صداقتوں کے لئے خارجی دلائل کے محتاج نہ ہوں۔ اِس دنیا سے متعلق کوئی عقیدہ حق ثابت نہیں کہلا سکتا، جب تک اِس کے تعمیری نتائج ایک ٹھوس حقیقت بن کر سامنے نہ آجائیں۔ اِس کے بالمقابل

باطل کے بنیادی معنی کسی چیز کا جاتے رہنا ہوتے ہیں۔ جب کسی چیز کو کسوٹی پر پرکھا جائے، اور وہ اُس پر پوری نہ اُترے تو اُسے باطل کہتے ہیں۔ قرآن میں قرآن ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ (17:81)

''حق آ گیا ہے اور باطل تباہ ہو گیا۔ باطل ہوتا ہی تباہ ہونے والا ہے۔''

باطل کہتے ہی اُسے ہیں، جو باقی رہنے والا نہ ہو۔ وہ اُس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک میدان میں حق نہیں آتا۔

قرآن کریم میں، حق کا لفظ ظن کے مقابل آیا ہے کہ:

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ (10:36)

''ظن، حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتا۔''

اس لئے اتباع، حق کی کرنی چاہیے ظن کی نہیں۔ دین یکسر حق ہے اس میں ظن کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ دوسرے مقام پہ ہے کہ: اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (10:30) ''اللہ خود اپنے قوانین کے ذریعے حق ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا کہ: اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ (3:86) ''اس کا رسول حق ہے۔'' دیگر جگہ پہ ہے کہ: اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۙ (34:6) ''اس کی طرف سے بھیجا ہوا قرآن حق ہے۔'' سورہ یونس میں ہے کہ: اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (10:55) ''اللہ کے وعدے (قوانین) حق ہیں۔'' دین اسلام کے بارے میں کہا کہ: دِيْنِ الْحَقِّ (9:33) ''اس کا دین حق ہے۔'' کائنات کے بارے میں کہا کہ: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ (39:5) ''یہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے''۔ چونکہ حق، ظن وشکوک سے بلند ہوتا ہے اور وہ ایک ٹھوس تعمیری واقعہ کی شکل میں سامنے موجود ہوتا ہے، اس لئے ظہور نتائج کو بھی اَلْحَآقَّةُ (69:1) کہا گیا ہے۔ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقُّ ۙ (34:6) ''جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ (قرآن) الحق ہے۔'' اس لئے حق کے بالمقابل ظن وقیاس کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ قرآن سے بھی یہی وضاحت ملتی ہے کہ: اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ (10:36) ''یقیناً ظن وقیاس، حق ویقین کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔''

ہم نے دیکھا کہ انسان کو ودیعت کردہ عقلی علم مکمل حق یعنی الحق پر مبنی مستقل اقدار کی حقیقت کے عِلم کے فہم کی مکمل آگاہی حاصل نہیں کر سکتا، جب کہ وہ اللہ کے کلام پر مبنی قرآن کی کتاب سے روشنی حاصل کرتا نہ رہے۔ قرآن کے مطالعے کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ اگر جذبات اور عقل کو وحی خداوندی (جواب مکمل شکل میں قران میں آخری پیغام کے طور پر محفوظ ہے) کی روشنی میں استعمال کیا جائے تو انسان ذات کی نشوونما کی فہمِ الحق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا عِلمُ الوحی میں قرآن کا عنوان باندھ کر اِس کی تفصیلی وضاحت ہم ایک الگ اگلے باب میں بیان کر رہے ہیں۔

خصوصی اپیل

(بے مثال تفسیر قرآن کی نشر و اشاعت کے لئے تعاون کی درخواست)

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ نے ساری عُمر قرآن کریم کی تحقیق، تعلیم اور ترویج کرنے میں بسر کی۔ اُنہوں نے خالص قرآن کی مدد سے عصرِ حاضر کے علمی، تحقیقی، سائنسی اور تنقیدی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے قرآن کے اصلی پیغام الحق کو ہم تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پینتیس سال کے لگ بھگ ہفتے کے ہر جمعہ/ اتوار کو باقاعدگی سے درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اُن کے دروس آڈیو/ وڈیو میں منتقل کئے جاتے تھے جن میں پورے قرآن کا بڑی تفصیل سے لگ بھگ ایک ہزار گھنٹے پر محیط جائزہ لیا گیا ہے۔ بعد میں انہی ٹیپ کی مدد سے اِن دروس کو ٹائپ کر کے مطالب القرآن فی دروس الفرقان کے نام سے کتابی شکل میں 41 ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔

ادارہ طلوع اسلام نے اِسے تبلیغ کا فریضہ خُداوندی سمجھتے ہوئے نبھایا ہے اور احباب سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اِن کُتب کو ادارہ سے خرید کر زیادہ سے زیادہ لوگوں اور اداروں تک اپنا تبلیغی فرض سمجھتے ہوئے پہنچائیں۔ اِس عمل میں اگر آپ ادارہ کو مطلوبہ افراد کی فہرست فراہم کر دیں گے تو وہ اس تفسیر قرآنی کا ایک سیٹ آپ کی جانب سے آپ کے دئے ہوئے پتہ پر بھجوا دے گا۔ تعلیمی اداروں میں خصوصی طور پر تعلیمی درسگاہیں اور پبلک لائبریریاں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ادارہ کے پاس اِن کی فہرست موجود ہے جو ضرورت پڑنے پر مہیا کی جاسکتی ہے۔ آپ کو اِس امر سے یہ بھی تسلی رہے گی کہ آپ نے نہ صِرف اپنی طرف سے تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اللہ کے کام میں رفاقت کی سعادت حاصل کی ہے بلکہ ادارے کی بھی اِس فریضہ کی ادائیگی کو جاری رکھنے میں بھرپور مدد فراہم کی ہے۔

(41) اکتالیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اِس منفرد تفسیر کا ہدیہ مبلغ 19000 روپے ہے۔ اگر آپ یہ تفسیر کسی لائبریری یا دوست کو گفٹ کرنا چاہتے ہیں تو ادارہ کو صرف -/15000 روپے ارسال کر دیجئے۔ ادارہ آپ کی جانب سے یہ تفسیر قرآن مطلوبہ لائبریری یا فرد تک بھجوا دے گا۔ عطیات کے لئے ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔ ہماری دلی تمنا یہ ہے کہ دروس القرآن کی یہ اکتالیس (41) ضخیم جلدوں پر مشتمل قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر پاکستان کی ہر یونیورسٹی کی لائبریری کی زینت بنے تا کہ وہاں کے تمام طالب علم قرآنِ کریم کی اس بے مثال تفسیر سے استفادہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری معصوم آرزو کو شرف قبولیت بخش دے اور صاحب حیثیت لوگ اس سلسلے میں آگے بڑھیں اور اس کام میں ہماری مدد کریں تا کہ تبلیغ دین کے اس فریضہ سے ہم سب عہدہ برا ہو سکیں۔ شکریہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam
National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore
For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672
For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوعِ اسلام، لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20X30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورۃ الفاتحہ	(1)	240	200/-
سورۃ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-
سورۃ البقرہ (اوّل)	(2)	500	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-
سورہ آل عمران (اوّل)	(3)	472	500/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-
سورۃ الانفال	(8)	210	250/-
سورۂ توبہ	(9)	530	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-
سورۂ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-14-15)	500	500/-

سورۃ النحل	(16)	334	300/-
سورۃ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-
سورۃ الکہف، سورۃ مریم	(18-19)	532	500/-
سورۃ طٰہٰ	(20)	416	350/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ العنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ روم، لقمان، السجدہ	(30-31-32)	444	400/-
سورۃ الاحزاب، سبا، فاطر	(33-34-35)	570	400/-
سورۃ یٰسٓ	(36)	164	150/-
سورۃ الصفٰت، ص، زمر	(37-38-39)	450	400/-
سورۃ مومن حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40-41-42)	624	550/-
سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45-46-47)	520	500/-
سورۃ الفتح، الحجرات، قٓ، الذاریات، الطور، النجم	(48-49--51-50-52-53)	550	500/-
سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55-56-57)	384	400/-
28واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	-64-65-66) (58-59-60-61-62-63	300	300/-
29واں پارہ (مکمل)		544	400/-
30واں پارہ (مکمل)		624	400/-
شرح جاوید نامہ		800	1000/-
فہرست موضوعات مطالب القرآن فی دروس الفرقان		800	1000/-

محمد علی صابر صدیقی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نشست نمبر 13

نوجوانوں کا صفحہ

نخلِ سینا

پرسوں کا دن بھی آ گیا اور حاضرین بھی وقت مقررہ پر پہنچ گئے بلکہ کچھ چہرے نئے بھی تھے۔ بہت سے لوگوں کے ہاتھ میں کچھ فروٹ اور کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔

کلیم الزماں نے جو معاملہ دیکھا تو ہنس کر بولے کہ آپ لوگوں کی عادت نہیں بدلی۔ ہمیشہ مؤکل کی جیب پر ڈاکہ مارتے ہو۔ آج میری میزبانی پر ڈاکہ مارا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو کلیم صاحب نے کہا کہ وقت ضائع کئے بغیر میں آپ کو حقیقت حال سے واقف کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے نوجوان طبقہ کو تو اس بات کا علم ہی نہیں کہ ہمارا یعنی برصغیر پاک و ہند کا تعلیمی نصاب کس نے مرتب کیا تھا۔ سنئے! یہ تعلیمی نصاب اور نظام میکالے کا وضع کردہ ہے اور روایت ہے کہ انگلستان واپس جا کر اس نے اپنی والدہ سے کہا تھا کہ میں ہندوستان کو ایسا تعلیمی نظام اور نصاب دے کر آیا ہوں کہ وہ صدیوں تک غلامی کی زنجیروں کو توڑ نہیں سکیں گے اور واقعتہً وہی ہوا۔ نچلے درجہ کے غریب عوام کے تعلیم یافتہ بچوں کو حکومت میں کلرکی مل جانا کامیابی کا معیار سمجھا جاتا تھا اور اوپر کے درجہ کے متمول اور بااثر لوگوں کے بچوں کا معراج یہ ہوتا تھا کہ انہیں آئی سی ایس (انڈین سول سروس) کے محکمہ میں افسر بنا دیا جائے۔ وہ ریل کے اول درجہ کے کمپارٹمنٹ میں سفر کرتے ہوئے اپنے صندوقوں پر ''آئی سی ایس'' کے الفاظ لکھوانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ اسی صورت حال کو دیکھ کر اکبر الہ آبادی نے طنزاً کہا تھا۔

اب کیا کہیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے
بی اے کیا نوکر ہوئے پینشن ملی اور مر گئے

یعنی میکالے کا خواب پورا ہو گیا۔

دوسرا رخ یہ ہے اور روایت ہے کہ جب گولڑہ شریف کے بزرگ پیر مہر علی شاہ صاحب کا انتقال ہو رہا تھا تو انہوں نے وصیت کی تھی کہ انہیں لحد میں وہ شخص اتارے جس نے کبھی زنا نہ کیا ہو اور جب وقت آیا تو پیر صاحب کے مریدوں میں سے کوئی مرید بھی سامنے نہ آیا۔ یہ حالت دیکھ کر نواب آف مکھڈ نے اپنی اچکن اتاری اور پیر صاحب کے جسم کو لحد میں اتارا۔ دوسری طرف دیکھئے تو انہی نواب صاحب کے زیر اثر اسّی میل لمبے علاقے میں ایک سکول بھی نہیں تھا۔ یہ تقسیم ہند سے پہلے کی بات ہے اور پاکستان بننے

کے بعد کی بات بتاتا ہوں جو مجھے صدیقی صاحب نے بتائی ہے۔ ان کے ایک برخوردار ہیں ڈاکٹر ممتاز، یہ صدیقی صاحب کے بھائی شوکت محمود صدیقی کے دوست اور کلاس فیلو تھے۔ اب دونوں امریکہ میں رہائش پذیر ہیں۔ ممتاز صاحب ایگری کلچر میں پی ایچ ڈی ہیں اور برسوں حکومت پاکستان کے ایگری کلچر کے ایڈوائزر رہے ہیں۔ صدیقی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے کہا کہ لالہ جی! میں نے سندھ کے ایک بہت بڑے وڈیرے اور سیاست دان کو اس کی زمینوں پر چاول کی پیداوار دگنی کرنے کے لئے ایڈوائز کیا تو اس نے کہا نہ بابا، ایسا ہی ٹھیک چل رہا ہے۔ وضاحت کرتے ہوئے اس نے کہا کہ اگر پیداوار دگنی ہوگئی تو مزارعین دگنا حصہ لے جائیں گے اور جب ان کی آمدنی ان کی ضرورت سے زیادہ ہوگئی تو وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلوائیں گے۔ جب مزارعین کے بچے تعلیم یافتہ ہوگئے تو ہماری اولاد کو لیبر کہاں سے ملے گی، ناچار ہماری اگلی نسل تو بہت نقصان اٹھائے گی۔ اس رویہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں قوم کا ایک طبقہ ایسا ہے جو جان بوجھ کر تعلیمی سرگرمیوں کی راہ میں روک بن کر کھڑا ہے اور یہ وہ طبقہ ہے کہ قوم کی امیدیں انہی لوگوں سے وابستہ ہیں لیکن حال یہ ہے کہ

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ایک طرف حالت یہ ہے کہ ہائیر ایجوکیشن کمیشن کو کام کرنے سے روکا جاتا ہے اور سکولوں کے استاد صاحبان اور کالجوں کے پروفیسر حضرات تعلیمی راہنما بننے کے بجائے دکاندار بن گئے اور علماء اپنے دائرہ کار میں خواہ کتنے ہی اچھے اور مستعد ہوں، سائنس کی تعلیم سے وہ بالکل نابلد ہیں، باقی رہے بار اور بینچ ان سے بھی کوئی امید بر نہیں آتی۔ کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن، اسی سوسائٹی سے کام لینا ہے۔ علامہ نے کہا تھا کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

واقعی بڑی مشکل سے دیدہ ور پیدا ہوتا ہے لیکن پیدا ضرور ہوتا ہے اور علامہ ہی کے فلسفہ کے مطابق زندگی مشکل کے وقت اپنی راہ خود متعین کر لیتی ہے، ساتھ ہی علامہ یہ بھی کہتے ہیں کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

کلیم الزماں کی بات سن کر اوصاف علی نے کہا کہ! انکل ہم لوگوں سے علامہ کس قسم کے عمل کی توقع رکھتے تھے بات کھل کر بتائیں تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔ اوصاف علی کی بات کا جواب دیتے ہوئے کلیم الزماں نے کہا کہ برخوردار! علامہ اقبالؒ بھی تمہاری طرح وکیل تھے، اس لئے ان سے کسی ہنگامی یا فسادی قسم کی بات کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ قوموں کی زندگی میں قانون ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق علامہ نے فرمایا تھا کہ

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد

سب سے پہلی بات تو یہ ہونی چاہیے کہ جن لوگوں کے سپرد قانون سازی کا فریضہ کیا جائے انہیں، دین کے بنیادی تصورات سے واقفیت ہونی چاہیے۔ آپ کے ہاں قانونی

اداروں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں یا موجود رہے ہیں جنہیں لفظ قانون کا تلفظ بھی نہیں آتا۔ وہ قانون کو" کنون " کہتے ہیں، ایسے لوگوں کو تو قومی قانون ساز اسمبلی کا گیٹ کیپر رکھنا بھی مناسب نہیں چہ جائیکہ انہیں قانون سازی میں ووٹ دینے کا حق دیا جائے۔ تم نے پوچھا ہے کہ دین کی بنیادی ضروریات کیا ہیں؟ ایسی باتوں پر گفتگو کرنے کے لئے وقت چاہیے۔ مختصر طور پر تو میں نے کہہ دیا ہے کہ ''از کلید دین درِ دنیا کشاد'' ہی دین ہے لیکن ایک دو بنیادی باتیں علامہ نے کہی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی
بر تر از گردوں مقام آدم است
اصل تہذیب احترام آدم است

قرآن مجید بھی یہ کہہ کر ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ'' (17:70) تکریم آدمیت پر زور دیتا ہے لیکن ہمارے ہاں ہوتا کیا ہے۔ معزز سے معزز آدمی کا تھانے میں بیان لیتے ہوئے دو ٹکے کا محرر اسے کرسی نہیں دیتا اور پنجاب کے دیہات میں چوہدری صاحب کسی کو بھی دارے (چوپال) میں بلا کر جوتیاں پڑوا دیتے ہیں۔ ہمارے قانون سازوں کو قانوناً ایسی سرگرمیوں کو روکنا ہوگا۔ دوسری بات، جس پر علامہؒ نے زور دیا ہے وہ ہے صدقِ مقال اور اکلِ حلال، ہمارے ہاں دونوں کا فقدان ہے۔ برخوردار اس کے متعلق تو آپ خود ہی جانتے ہیں کہ آپ کے ہاں ان صفات کی کس قدر ضرورت ہے۔ قرآن مجید نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں کو جہنم کی وعید دی ہے لیکن ''حق را بسجودے و نبی را بہ درودے'' فریب دینے والوں نے اب رشوت کا نام وٹامن رکھ لیا ہے اور ظاہر ہے کہ وٹامن کی ہر شخص کو ضرورت ہے کیونکہ خورونوش کی اشیاء فروخت کرنے والے ملاوٹ سے باز نہیں رہتے۔ ہمارے ایک دوست لطیفہ کے طور پر کہہ رہے تھے کہ اگر کسی نے علم وفنِ ملاوٹ میں ڈاکٹریٹ کرنی ہو تو اسے صوبہ خیبر پختونخوا کے افیون اور چرس کے سمگلروں کے سامنے زانوئے ادب طے کرنا چاہیے جو افیون میں املوک کی آمیزش سے اپنے مال کو دوگنا کر لیتے ہیں یا کراچی اور لاہور کے مصالحہ فروشوں کی شاگردی اختیار کرنی چاہیے جو مرچوں میں لکڑی کا برادہ ملا کر مرچوں کی تلخی کو کم کرنے کا فن جانتے ہیں۔ ایک شخص نے ہمیں یہ لطیفہ سنایا کہ امارات میں کوئی شخص اپنے مسافری کے کاغذات میں جعل سازی کر کے پکڑا گیا تو امارات کا افسر مذاق کرتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا کہ اگر تم اس کام کے لئے کسی پاکستانی کی خدمات حاصل کر لیتے تو آج پکڑے نہ جاتے۔ الغرض ہماری قوم کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے، دل مردہ ہو چکا ہے سوائے مادی مفادات کے انہیں اور کوئی بات سوجھتی ہی نہیں۔ ان کے خیال میں زندگی یہی ہے کہ کھاؤ پیو بچے پیدا کرو اور مر جاؤ۔ کلیم الزماں باتیں کر رہے تھے کہ شکیل الزماں بول اٹھے کہ ابو! آپ ایک بات چھوڑ گئے ہیں، کہنا چاہیے تھا، کھاؤ پیو، کرکٹ کھیلو، جیل جاؤ اور اگر غیرت ہے تو وہیں مر جاؤ۔ شکیل الزماں کا مذاق سن کر بات سنی ان سنی کرتے ہوئے شائستہ نے پوچھا کہ انکل آخر ان بیماریوں کا علاج کیا ہے؟

قوم پر مردہ دلی چھائی ہوئی ہے۔ ہر سمت پریشانی ہی پریشانی ہے اس پر کلیم صاحب نے برجستہ کہا

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

کلیم الزماں کی بات سن کر شبیہ الحسن نے پوچھا کہ انکل مردہ دل کو زندہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کلیم صاحب کا برجستہ جواب تھا کہ:

محبت سے شفا پائی ہے سَب بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے

اور اس محبت سے میرا مطلب وہ نہیں جو ایک لونڈے اور لونڈیا کے درمیان ہوتی ہے، میرا مطلب ہے کہ مختلف قسم کے تصورات کی حامل جماعتوں کے درمیان محبت اور شائستگی کا رویہ۔ یہ رویہ دل و دماغ کی تربیت کے بغیر پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ شبیہ الحسن نے پھر سوال کیا کہ انکل دماغ کی تربیت تو تعلیم سے ہو جاتی ہے، دل کی تربیت کے کیا معنی ہیں؟

کلیم الزماں نے جواباً کہا کہ برخوردار! یہ ایک پرانا خیال ہے کہ خواہش کا مصدر و منبع دماغ ہے اور دل گوشت کے لوتھڑے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہمارے شعرا اور صوفیاء تو دل کی قدر و قیمت سے واقف تھے لیکن سائنس اسی زمانہ میں دل کے وظیفہ سے واقف ہوئی ہے۔ امریکہ میں ایک بھارتی نژاد ہندو ڈاکٹر نے جس کا نام دیپک چوپڑہ ہے، اپنی ایک کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ، ہسپتال میں ایک دل کی مریضہ کا دل فیل ہو رہا تھا۔ عین اس وقت ہسپتال کے قریب ایک نوجوان ایک حادثہ میں ہلاک ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے فوراً اس نوجوان کا دل بیمار خاتون کے جسم میں پلانٹ کر دیا، جب خاتون کو ہوش آیا تو اس نے نگٹس (Nuggets) اور بیئر (Beer) کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس خاتون کو نگٹس کبھی بھی مرغوب نہیں تھے اور نہ ہی وہ بیئر پینے کی عادی تھی۔ ڈاکٹروں نے مزید تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ وہ نوجوان جس کا دل خاتون کے جسم میں پلانٹ کیا گیا تھا وہ نگٹس کھایا کرتا تھا اور ساتھ ہی بیئر بھی بڑے شوق سے پیتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواہش کرنے میں دل کا بھی عمل دخل ہے۔ علامہ اقبال نے بھی تو دل کی کارکردگی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

میرا خیال ہے کہ محبت کرنے والوں کے دل کو عقل کے پاسبان کی ضرورت نہیں رہتی۔ معاشرے میں علم و دانش کی ضرورت کے ساتھ ساتھ محبت کی ضرورت ہے۔ اپنے آپ سے محبت کریں، اپنے خاندان سے محبت، انسانیت سے محبت اور پھر محبت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ ''یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ'' پشاور کے ایک صاحب دل شاعر جناب غلام محمد قاصر صاحب کا ایک شعر ہے

کروں گا کیا جو محبت میں ہو گیا ناکام
مجھے تو اور کوئی کام بھی نہیں آتا

ہمارے سیاسی راہنماؤں میں اگر ایسے ''بے کار'' آدمی پیدا ہو جائیں تو قوم کی تقدیر بدل جائے۔ کلیم صاحب ذرا خاموش ہوئے تو شبیہ الحسن نے کہا کہ انکل! دیپک چوپڑہ کی جس کتاب کا ذکر آپ نے کیا ہے، کیا وہ بازار میں مل

جائے گی؟ کلیم صاحب نے کہا برخوردار! کتاب کا نام ہے Ageless Body and Timeless Mind جو میری لائبریری میں موجود ہے۔ تم اس کا مطالعہ کر سکتے ہو اور میں آپ لوگوں کی غلط فہمی کو دور کر دوں کہ تربیت کے مختلف مراکز پر دھیان دینے سے پہلے علامہ کی ایک نصیحت یاد رکھیں اور وہ یہ ہے کہ

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

اور یہ امر اظہر من الشّمس ہے جس طرح عمارت ایک مضبوط بنیاد کے بغیر مستحکم نہیں رہ سکتی اسی طرح ایک صحت مند جسم ہی ان خوبیوں کا مالک بن سکتا ہے جو معاشرے کے استحکام کا باعث بنتی ہیں۔ اچھی خوراک، اچھی عادت، باقاعدہ ورزش اور حفظان صحت کے اصولوں کی پاسداری اچھی صحت کی ضمانت دے سکتی ہے۔

کلیم الزماں بڑے جوش و جذبہ سے باتیں کر رہے تھے جیسے کہ کوئی استاد کلاس روم میں اپنے شاگردوں کو صحت کے ابتدائی اصول سمجھاتا ہے، کہ دیکھو بچو! ریڑھی والوں سے ایسی چیزیں لے کر کبھی نہ کھانا جن پر مکھیاں بھن بھنا رہی ہوں۔ عبداللہ منصور نے سوال کرتے ہوئے پوچھا کہ انکل! جسے روحانی تربیت کہتے ہیں وہ کیا چیز ہے؟ اس پر کلیم صاحب نے ہنستے ہوئے کہا کہ برخوردار! تم نے مجھ سے ایک ایسا سوال کر دیا ہے جس کا حتمی جواب میرے پاس نہیں۔ یہ تو وہی لوگ بتا سکتے ہیں جو روحانی پیشوا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ البتہ اپنی طرف سے اظہار خیال کرتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ روحانیت کے ایک سے زیادہ مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک روحانیت وہ ہے جس کا دعویٰ ہمارے صوفیا اور مشائخ کرتے ہیں۔ اس روحانیت کے متعلق اس وقت تک کچھ علم حاصل نہیں ہو سکتا جب تک انسان خود اس سمندر میں غوطہ زنی نہ کرے، جس کے تیراک ہمارے مشائخ ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے خوب کہا تھا کہ

کہا پیر طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹم ٹم پر
یہ وہ منزل ہے جس میں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

ایک روحانیت ملا کی ہے جو کہتا ہے کہ نماز روزہ کی پابندی کرو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال رکھو۔ ان باتوں سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن بات مبہم رہ جاتی ہے کیونکہ نہ تو حقوق اللہ کی وضاحت ہوتی ہے اور نہ ہی حقوق العباد کی اور معاشرے کے ادارے اسی تگ و دو میں ہیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کیسے کی جائے۔ ڈور کو سلجھا رہے ہیں اور سرا ملتا نہیں، علامہ نے نسخہ یہ بتایا ہے کہ:

تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لاالہ الا
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

ہمارے دوست صدیقی صاحب جن کے طفیل ہم سب نے پنیر والے پکوڑے کھائے ہیں بڑی مزے مزے کی باتیں سناتے ہیں۔ وہ بڑے احترام سے اپنے استادوں کا نام لیتے ہیں۔ انہوں نے ایک دن دوران گفتگو بتایا کہ وہ اپنے استاد پروفیسر محمد اکبر صاحب کے بڑے چہیتے تھے۔ انہیں اکثر اپنے استاد کے ساتھ ٹانگہ میں سفر کرنے کا موقع ملا۔ ایک دفعہ منزل پر پہنچ کر ٹانگے والے سے پوچھا کتنے

پیسے ہوئے۔ تو ٹانگہ بان نے کہا جی آٹھ آنے انہوں نے آٹھ آنے ٹانگے والے کو دے کر کہا ٹھہرو اور چار آنے اور دے کر کہا کہ یہ گھوڑے کے ہوئے اس نے بھی میری خدمت کی ہے کہ اگر یہ چار آنے گھوڑے کو نہ کھلائے تو حشر میں دامن گیر ہوں گا۔ یہ بھی روحانیت کا ایک پہلو ہے۔ ایک اور قصہ سنایا کہ ابھی بی اے کا نتیجہ نکلا ہی نہیں تھا کہ پروفیسر مذکور کا تار آیا کہ ہوشیار پور پہنچو، یہ تقسیم ہند سے پہلے کی بات ہے چنانچہ تعمیل حکم ہوئی۔ معلوم ہوا کہ پنجاب یونیورسٹی کے ادیب عالم اور ادیب فاضل کے پرچے آئے ہوئے ہیں انہیں جانچنا ہے۔ میری مدد کی ضرورت تھی۔ اسی زمانے میں ان کے نوکر نے گھی چرالیا تو اسے کچھ سخت الفاظ کہہ دیئے، شام کے وقت وہ مجھے اور اپنے چور ملازم کو بزاز کی دکان پر لے گئے اور اپنے ملازم کو کپڑوں کا ایک جوڑا دلوادیا اور کہا کہ بھئی! آج دوپہر میں نے تم سے درشت بات کہہ دی تھی، مجھے معاف کردو۔ یہ رویہ بھی روحانیت کے ایک پہلو کو اجاگر کرتا ہے اور موجودہ زمانہ میں ایک جج صاحب کو ایک ارب روپے کی رشوت کی آفر ہوئی تھی، انہوں نے رشوت لینے سے انکار کردیا اور اس وقت مصلیٰ ان کے بڑے کام آیا۔ یہ بھی روحانیت ہے۔ آپ لوگوں کو جس روحانیت کی ضرورت ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے کہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (11:114) اس آیت کو پلے باندھ لو، قرآن مجید کا اس طرح مطالعہ کرو جیسے علامہ اقبال اور علامہ پرویز نے کیا ہے تو بس کام بن گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ایک بات اور بھی یاد رکھنا کہ ادب عالیہ کے مطالعہ کے بغیر ''روحانی عقل'' بعض اوقات بے کار رہ جاتی ہے، کیونکہ ادب عالیہ ہی تو معاشرے کا آئینہ ہے جو ان حقائق سے آگاہ کرنے کا وسیلہ بنتا ہے، جو انسان کی نظر سے عام طور پر پوشیدہ رہتے ہیں۔ روحانیت کا درس تو کائنات کا ہر ذرہ دے رہا ہے اگر چشم بینا ہو تو درخت کی ایک کونپل ہی اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کی جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ مولانا رومی نے کہا

اے برگ قوت یافتی تا شاخ را بہ شگافتی
چوں رستی از زنداں بگو تا من دریں حبس آن کنم

آپ نے دیکھا کہ مولانا رومی ایک نازک سی کونپل کو دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح شاخ کی سخت سطح کو پھاڑ کر باہر نکل آئی ہے۔ تو اس میں انہیں اللہ تعالیٰ کا جلال و جمال دونوں نظر آجاتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کتابی علم کے ساتھ ذاتی طور پر مشاہدہ فطرت انسانی عقل و خرد کو جلا بخشتا ہے۔ ذاتی مشاہدہ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے علامہ اقبال کی ''نظم کرم کتابی'' کا مطالعہ کافی دلچسپی کا سامان مہیا کرسکتا ہے، نظم یوں شروع ہوتی ہے۔

شنیدم شبے در کتب خانۂ من
بہ پروانہ ی گفت کرم کتابی
بہ اوراق سینا نشیمن گرفتم
بسے دیدم از نسخہ فاریابی
نہ فہمیدہ ام حکمت زندگی را
ہماں تیرہ روزم زبے آفتابی

روحانیت کے بارے میں طلوعِ اسلام کا نکتۂ نظر جاننے کے لئے پرویزؒ صاحب کی کتاب ''تصوّف کی حقیقت'' ملاحظہ فرمائیے۔

نکو گفت پروانہ نیم سوزے
کہ ایں نکتہ رادر کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش می دہد بال و پر زندگی را

نظم پڑھ کر کلیم الزماں نے کہا کہ میں آپکو اس نظم کا ترجمہ کر دیتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اب ہمارے ملک اور معاشرے سے فارسی کا ذوق ختم ہو چکا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دہلی میں اگر چہ اردو بولی جاتی تھی لیکن فارسی دانی کا یہ عالم تھا کہ غالب نے بڑے فاخرانہ انداز میں کہا تھا۔

امروز من نظامی و خاقانی ام بہ دہر
دلی زمن بہ گنجہ و شیراں برابراست

نظامی گنجوی اور خاقانی ایران کے دو بہت بڑے شاعر اور ادیب تھے۔ غالب کہتا ہے کہ میں فارسی دانی میں نظامی اور خاقانی کا ہمسر ہو گیا ہوں۔ افسوس ہوتا ہے قوم میں ایسے انحطاط کو دیکھ کر بہر حال میں بتاتا ہوں کہ اس نظم میں علامہ نے بھی ذاتی مشاہدے پر زور دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ میرے کتب خانہ میں ایک رات کتابوں کا کیڑا پروانے سے کہہ رہا تھا کہ میں نے بوعلی سینا اور ظہیر فاریابی کی کتابیں کھنگال ڈالی ہیں اس کے باوجود مجھے زندگی کی حقیقت سے شنائی نہیں ہوئی، کورے کا کورا ہوں اس پر ادھ جلے پروانے نے جواب دیا کہ زندگی کا راز کتابوں میں نہیں ملتا۔ زندگی کا راز ذاتی مشاہدہ اور تجربہ ہی سے پایا جاسکتا ہے۔ دیکھا، ایسی باتیں آپ کو قانون شہادت کے اوراق میں نہیں ملیں گی۔ دوسری جگہ علامہ نے اور سہل الفاظ میں کہا ہے۔

اے گرفتارِ طلسمِ آشیاں
زندگی پرواز ہی پرواز ہے

حاضرین بڑے غور سے کلیم الزماں کی باتیں سن رہے تھے کہ درمیان میں عبداللہ منصور نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ انکل! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بجا اور درست مگر جن لوگوں نے علامہ اقبال اور علامہ پرویز کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے وہ ان دونوں بزرگوں کے خیالات میں پوری مطابقت نہیں پاتے۔ اس پر کلیم الزماں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ مفکرین ہمیشہ ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہوئے بھی بعض امور میں اختلاف کرتے ہیں اور اسے جائز سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں مفکرین کے تصورات سے بہتر تصور ہے تو ہم ان دونوں کے تصورات رد کرتے ہوئے آپ کی رائے کو قبول کر لیں گے۔ علم کا پودا اسی رویے سے نشوونما پاتا ہے۔ بات کو ختم کرتے ہوئے کلیم الزماں نے کہا کہ آئندہ نشست اگلی اتوار کو رکھ لیتے ہیں۔ ہماری بحث ختم ہو چکی ہے۔ اگلی میٹنگ میں ہم تحریک نخل سینا سے وابستہ اس تعلیمی ادارے کے لائحہ عمل پر مشورہ کریں گے جس کا ذکر میں کرتا رہا ہوں۔ پچھلے دنوں ملک کے ایک مشہور ومعتبر صحافی اور کالم نگار محترم حسن نثار صاحب کے ایک ٹی وی مذاکرے میں بات سن کر بڑی خوشی ہوئی، وہ کہہ رہے تھے کہ ہمارے ملک میں جہاں عدلیہ کا اختیار ختم ہوتا ہے، وہاں سے وڈیروں کا اختیار شروع ہو جاتا ہے۔ بات تو انہوں نے سچی کہی ہے لیکن ادھوری ہے۔ انہیں کہنا چاہیے تھا کہ جہاں وڈیروں کا اختیار ختم ہوتا ہے وہاں عوام کا اختیار شروع ہو جاتا ہے، جو ہر چورا ہے پر گلوٹین نصب کر لیتے ہیں۔ اس قسم کے سانحہ سے بچنے کے لئے ہم آئندہ پروگرام بنائیں گے۔

حمیرا فاروقی

بچوں کا صفحہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ نظر کیوں نہیں آتا؟

بچو! ایک سوال ہے جو اکثر بچے کرتے ہیں کہ خدا ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ اس کا جواب ہے کہ دنیا میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو نظر نہیں آتیں جبکہ وہ حقیقت میں موجود ہوتی ہیں۔

مثال کے طور پر اگر ہم کہتے ہیں کہ ایک آدمی ذہین ہے اور دوسرا ذہین نہیں ہے تو یہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ ذہانت نظر نہیں آتی۔ ایک شخص ذہانت کی بات کرتا ہے ذہین ہے جو ذہانت کی بات نہیں کرتا وہ ذہین نہیں ہے۔ دونوں کے بارے ہم ان کے کاموں یا باتوں سے اندازہ لگاتے ہیں۔ ایک حقیقت اور ہے کششِ ثقل (Gravity)! جو نظر نہیں آتی لیکن موجود ہے۔ ماننی پڑتی ہے۔ بال اُوپر پھینکتے ہیں اُوپر جاتی ہے پھر نیچے آجاتی ہے۔ زمین میں کھینچنے کی صلاحیت ہے جو چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے مگر نظر نہیں آتی۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ بھی ایک حقیقت ہے جس کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ یہ بھی ہمارے لیے اس زندگی میں ان حقیقتوں کی طرح ہے جن کے بارے میں دیکھنے کا مطالبہ کرنا یا دیکھنا بے معنی ہے۔

جیسے والدین ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم اُن سے محبت دیکھنے کا مطالبہ کریں۔ ہمیں وہ نظر نہیں آتی بلکہ اُن کے برتاؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں۔

اللہ بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے۔ یہ سمجھنے والی حقیقت ہے لیکن دکھائی نہیں دیتی۔

یہ دنیا جو ہے اس کو اگر ہم Intelligently یہ مانیں کہ اس کائنات کو کوئی بنانے والا ہے، کوئی چلانے والا ہے، تو وہ صرف اللہ ہے۔ اگرچہ نظر نہیں آرہا لیکن نظر آنے والی چیزوں سے بھی زیادہ حقیقی (Real) ہے۔

یہ دنیا جیسے چل رہی ہے یہ قانونِ فطرت (Laws of Nature) کا نظم وضبط ہے، ان سب چیزوں کو ہم سائنس کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ یہ سب قوانین ایسے ہی ہو گئے یا ان کو کوئی ڈیزائن کرنے والا یا بنانے والا بھی ہے؟ اللہ نے اس پوری دنیا کو بنایا اور پورا نظام بنایا اس کو جتنا ہم سمجھیں گے غور کریں گے اتنا ہی ہم یقین کرتے چلے جائیں گے کہ اللہ موجود ہے۔ نظر نہ آنے کے باوجود اس کا موجود ہونا سب سے زیادہ صحیح اور حقیقت بات ہے۔

سانحہ ارتحال

محترم حاجی سالم خان ساکن وانڈھی گھنڈ والی، میانوالی وفات پا گئے ہیں۔ مرحوم نے تمام زندگی قرآن سے محبت میں گذاری۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور مرحوم کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے۔ ادارہ ان کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔

اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک

مسلسل قرآنِ کریم کے سمجھنے اور سمجھانے کا بالکل نیا انداز

مفہوم القرآن

(پرویز)

یہ نہ قرآنِ کریم کا ترجمہ ہے، نہ تفسیر بلکہ اِس کا مفہوم ایسے واضح، مسلسل، مربوط اور دِلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے جس سے قرآنی مطالب تابندہ ستاروں کی طرح نگہِ بصیرت کے سامنے اُبھر کر آجاتے ہیں۔

نیا اور کمپیوٹر کمپوزڈ ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین اِمتزاج | طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com

www.facebook.com/tolueislam.trust

Phone: +92 42 35753666

Surah *Muhammad* (محمّد) – Durus-al-Qur'an: Chapter 1

By G. A. Parwez
(Translated by: Mansoor Alam)

My dear friends, today is January 15, 1982 and today's lecture starts with Surah Muhammad (محـــمّد) verse 1: الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّـهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ (47:1) – People who not only reject the Divine Order themselves, but also hinder others from coming towards the path of Allah, will find that their efforts will go to waste. The Divine order will definitely be established.

Obstructions in the path of Allah

In the past followers of a particular religion would use their power and authority to stop others from practicing their religions. But nowadays that does not happen anymore. So, who are the people who erect greatest roadblocks in the path of Allah? And what techniques do they use to do that? The Quran itself has provided details about these people and the technique they used to mislead people and to drive them away from the path of Allah.

The Quran says that Messengers of Allah used to bring دین (*Deen*) from Allah. This دین (*Deen*) was written and recorded in the book of Allah. After the Messengers left, religious priesthood came into existence. Its proponents, instead of the دین (*Deen*) given by the Messengers, self-crafted religion and made it a profession thus turning the دین (*Deen*) into religion.

My dear friends, the Quran calls its divine system and its teachings الدین (*Al-Deen*). In contrast, I use the term religion for its corrupted version that priesthood promotes in the name of divine system. We hear the words 'religion of Islam' from every pulpit. We rarely hear the word دین (*Deen*). Priesthood uses the term 'Islamic Sharia' for its self-crafted religious sharia. This is how priesthood promotes it – by making it a profession. This is how religious priesthood becomes the greatest roadblock in the path of Allah. The Quran says: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّـهِ (9:34) – O You who profess Iman! Be careful of the priests and mystics! Many devour the wealth of the masses by deception and falsehood – and thus they become the roadblock in the path of Allah.

Please always keep this difference in mind between the divine system of Allah and its man-made mutated form created by priesthood. As mentioned before, this is well illustrated by the term دین (*Deen*) which is Allah's pure message contained in His Book, the Quran; and the term مذھب (*Madhab*), its corruptive version that is

promoted by priesthood in the name of Islam.

So, there is no need to go anywhere else to find who creates this roadblock in the path of Allah. The Quran itself has mentioned who these people are who setup roadblocks in Allah's path; –They are priests and mystics who make religion as their profession. They oppose Allah's دین (*Deen*) because it stops their profession; because it stops their freeloading. Therefore, religious priesthood cannot exist in دین (*Deen*). The Quran says that whenever a messenger came from Allah and conveyed the divine message, the first to oppose him were the religious priests. They opposed the messenger because he challenged the status quo, because he challenged their belief that what they were professing in the name of the divine was not sanctioned by God but it was their own self-crafted religion. At this the religious priesthood played with people's emotion and roared: Look! He is telling you to leave your ancestral way; he is telling that your ancestors were misguided? At this the people became enraged and the priesthood went after the messenger – and made sure the divine message falls on deaf ears.

So, the greatest opposition to messengers came from priesthood. It is understandable that the Quraysh opposed the Prophet (PBUH). But the Quraysh were clear about their opposition: they had achieved their racial superiority and elite position in tribal hierarchy – and دین (*Deen*) cut the very root of this elitism. Quraysh derived tremendous benefits by being the custodian of Kaaba: this provided them high respect not only among their own tribe but also among surrounding tribes. The Quran tells that Quraysh's caravans travelled all year round safely while others' caravan were often looted and plundered. So, the Quran asks Quraysh to adopt the obedience of the Almighty Creator and Sustainer from whose House they are deriving so much benefit being its cutodians. They understood that they will lose all these benefits by doing this. So, they strongly opposed it. But the opposition by Jews was based on religious priesthood. Clashes with the Quraysh were open and understandable, and ended after few years after Prophet's victory at Makkah. But the machinations of the Jews continued until they were driven away from Medina; then from Khyber; and then eventually from the entire Arabian Peninsula.

My dear friends, we all know that no divine messenger is going to come after our Prophet (PBUH). We also know that, unlike previous messengers' divine books, the divine book Al-Quran given to the Ummah by our Prophet (PBUH) is protected by none other than its Author the Almighty Creator of the Universe. But the religious priesthood stands in its way and does not let anyone come near the Quran by creating and propagating their own Sharia and religion in the name of Islam. And if anyone invites people directly to the Book of Allah then the biggest opposition against it comes from the religious priesthood. Thus religious priests become the greatest roadblock in the path of Allah. Those who reject the Quran are openly against it. They do not pretend that they are believers. But those who profess to believe in the Quran

but do not let people come near it, the Quran proclaims: وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ (43:37) – They obstruct people from coming to the right path. They throw such a snare of deception around them, that they do not realize that they have gone astray; and they remain under the illusion that they are on the right path.

This requires further pondering my friends. The Quran makes it clear who is really on the right path: قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ (2:120) – Say to the people of the book O Prophet (PBUH): "The question is not whether mine or yours is the right path. Only that path can be the right one which is shown by Allah's Revelation (which you do not have in its original form) but the Quran preserves it." The Kuffar (کفّار) do not pretend nor do they claim that they are on the right path. Those who speak from religious pulpits are the ones who claim and think that they are on the right path but in reality they are not. They thus put up barriers in the path of Allah. The touchstone to decide the right path from the wrong path is now preserved within the pages of the Quran after the Prophet (PBUH). Allah's guidance does not exist anywhere outside the Quran. Those who find guidance outside of the Quran are the ones who put barriers in the path leading to Allah.

The true Iman must reflect Quran's truth

The Quran says: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (47:2) – On the other hand, those who believe in the truthfulness of the Divine Order and code of life (the Quran), which is their Sustainer's established truth as revealed unto Muhammad, and work according to His constructive program, will find that their firm faith and continuous efforts will improve the human condition of their society. Furthermore their abilities will develop as a result of their steadfast and unwavering commitment to the divine mission.

We should note an extremely important point here. These people will work hard for the welfare of humankind according to the program laid out in the Quran; by committing themselves one hundred percent on what has been revealed on Muhammad (PBUH) – وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ (47:2). So, this becomes the condition of Iman. Now, Iman becomes linked with the Quran because that is what was revealed on Muhammad (PBUH). Without the Iman on the Quran there is no Iman. We may say then that what is the big issue here? Every Muslim believes that. Well, let us see.

A movement called Brahmo Samaji Islam was started in India to counter the growing strength of the Pakistan movement among Muslims. Maulana Azad was a towering figure and a hugely popular Islamic scholar as well as the President of Indian National Congress. He was staunch opponent of Pakistan movement – which claimed that دین (*Deen*) *is* the foundation of Islam and, therefore, it wanted to create a nation based on Islamic foundation; and that this cannot be achieved by remaining in India. Gandhi replied that religion is private affair and it is has nothing to with politics. He blamed Jinnah of unnecessarily dragging religion into politics. This was the sticking point and the bone of contention between the Congress and the Muslim

League. However, our Islamic scholars – called nationalist Ulema – were against the Muslim League and in favor of the Congress and agreed with Gandhi that, yes, religion has nothing to do with politics. They proclaimed from every platform that our religion will remain protected in united India; that we will have freedom to pray and fast in united India.

Brahmo Samaji Islam advocated by Maulana Azad in his Tafsir

But this was not having much effect on Muslim masses who were overwhelmingly in favor of Pakistan. Gandhi attributed this to the teaching of Islam to children. He said that telling Muslim children that Islam is superior to other religions and that Islam *is* the only true religion – is bad and is the biggest problem. He advised that this kind of teaching should not be promoted among children; that something has to be done about it. So, Maulana Azad stepped forward and fulfilled Mr. Gandhi's wishes. He wrote in his Tafsir of the Quran that it is wrong to say that this religion is superior or that religion is inferior; that this religion is true or that religion is false. One should not say that because universal truths are found in every religion; that if followers of every religion stick to their religion then Islam says that its duty is fulfilled. My dear friends! Pay attention to what Maulana Azad said. He proclaimed that our concept of Islam and the claim of the Quran that Islam is the only true دین (*Deen*) is false. He, in effect, said that there is no need to have Iman in the Quran.

Congress vigorously promoted Maulana Azad's Tafsir and distributed millions of copies of this part of his Tafsir throughout India in many different languages. As a result, his popularity shot up through the sky. His stature was untouchable. No one could dare to criticize Maulana Azad for promoting this false idea – an idea that is clearly against the Quran. So, this "sinner" – yours truly – raised his voice against the false idea promoted in his Tafsir. I wrote an article in which I disproved every claim that he had put forward and I exposed that this is a false religion that is being promoted to please Hindus and to misguide Muslims. My article was published and republished. Several of his friends approached him to reply to my critical article. But he could not reply.

According to the Quran, there is no Islam without Iman on Prophet Muhammad (PBUH)

It is meaningless to say that Islam allows adherence to one's own religion. It requires Iman on "نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ" – i.e., Iman in what was revealed on Muhammad (PBUH). That is why I mentioned that we have to stop here and ponder: وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ (47:2) – And they believe in what was revealed to Muhammad (PBUH) - for it is the truth from their Sustainer. It is therefore required that anyone who wants to have Iman must believe in what was revealed on Prophet Muhammad (PBUH). The Quran asks everyone including the people of the book to believe the way the Prophet (PBUH) and his companions believed: فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (2:137) – And if others come to believe in the way you believe, they will indeed find themselves on the right path. The Quran even demands us – born Muslims – to

believe: يَا أَيُّهَا الَّذِيـنَ آمَنُواْ آمِنُواْ بِا ـّـِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ (4:136) – O you who profess to believe! Hold fast unto your belief in Allah, His Messengers, and the Book which He has sent to this Messenger (4:136). Why everyone is asked to believe on what was revealed on Prophet Muhammad (PBUH)? Because هُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ (47:2) – that is *The* Truth that has been revealed by Allah. It encompasses all the previous truths that were revealed by Allah to earlier messengers. The دین (*Deen*) was the same that came to all the previous messengers from Allah but it didn't remain protected. So, now, the دین (*Deen*) has been perfected – because it is directed to all of humanity – and is preserved forever in the Quran revealed on Muhammad (PBUH). وَهُوَ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (47:2) – This is THE TRUTH from Allah. Human abilities will develop as a result of their steadfast and unwavering commitment to the divine mission; and their minor errors will be compensated by the good work.

Momineen (مومنین) will have supreme position (اعلون) in the world

My dear friends, the Quran addresses human beings. The story of Adam – which is the story of man – begins with the man apologizing to Allah for his mistake. This indicates that human beings are prone to commit mistakes. However, the negative consequences of the mistakes can be compensated by good actions resulting in the improvement of the overall human condition: وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ (47:2). This is the claim of the Quran for those who believe in it and act accordingly. It says: وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (3:139) – You shall surely be uppermost in the world, provided you are true believers. And: وَلَن يَجْعَلَ اللَّـهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (4:141) – Never will Allah allow the unbelievers an upper hand over the believers. From every corner we hear the words "This is Islamic," "That is Islamic." But we never test ourselves on the Quranic touchstone (3:139, 4:141) to observe what our condition is in the world; what verdict do we receive after conducting this objective test?

Al-Haq (الحق) does not exist anywhere else outside the Quran

And, according to the Quran this objective test does not exist anywhere else outside of it. The Quran mentions: ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّـهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ (47:3) – This is because those who oppose the Divine Order follow what is FALSEHOOD (*Baatil* - باطل), while those who believe in the Divine Order pursue the program given by their Sustainer and thus follow what is THE TRUTH (*Al-Haq* - الحق). Since this program is based on truth it will definitely produce positive and tangible results that is beneficial to entire humankind. This is how, via example, Allah explains the condition and conduct of human beings.

To be Continued

4- وہ دائرہ اسلام سے باہر چوٹی کے حکماء اور فُضلاء کو ذہن میں رکھیں کیونکہ یہی لوگ ہیں جن کے قائل ہونے سے دنیا کی ذہنی فضا سے باطل تصورات کا اثر زائل کیا جا سکتا ہے۔

5- وہ علمی دنیا کے مسلمہ حقائق سے آغاز کر کے ان قرآنی حقائق کی طرف آئیں جن کی صحت لوگوں کے نزدیک مسلم نہیں۔

6- کسی غلط عقیدہ کی محض نفی مخالفین کو قائل نہیں کر سکتی جب تک اس کے مقابل کے صحیح تصور کا اثبات نہ کیا جائے۔

7- وہ ایک فلسفہ یا ایک فلسفیانہ خیال کی تردید کے لئے جن تصورات کو صحیح سمجھ کر کام میں لائیں تو کسی دوسرے فلسفہ یا فلسفیانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار نہ دیں۔ بلکہ اپنے موقف پر قائم رہیں۔

8- مغرب کے صحیح تصورات کو نہ تو رد کریں اور نہ ہی ان کے غلط تصورات کو قبول کریں۔

9- ہر غلط فلسفہ کے اندر وہ جن تصورات کو صحیح سمجھیں انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے غلط قرار نہ دیں اور جن تصورات کو غلط سمجھیں، انہیں دوسرے فلسفوں کی تردید کرتے ہوئے صحیح قرار نہ دیں ورنہ وہ اپنی تردید خود کریں گے۔

(3) ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا موقف:

1- کسی علمی صداقت کے ساتھ متصادم نہ ہو بلکہ ہر زمانہ میں تمام علمی صداقتوں کے ساتھ پوری طرح سے ہم نوا اور ہم آہنگ رہے اور جوں جوں علمی صداقتیں منکشف ہوں وہ اس کے اندر سماتی چلی جائیں۔

2- جس کے تمام تصورات ایک دوسرے کے ساتھ عقلی ربط وضبط رکھتے ہوں اور ایک دوسرے کی عقلی تائید اور توثیق کرتے ہوں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اس کے تمام تصورات قرآن کے بنیادی تصور کے ساتھ عقلی طور پر متعلق ہوں۔

3- جو تمام باطل فلسفوں کی موثر تردید کرتی ہو۔

4- جو کائنات کا ایک مکمل فلسفہ ہو اور حقیقتِ انسان و کائنات کے اہم مسائل کے بارے میں عملی راہ نمائی کرتی اور صداقت اور سچائی کا راستہ بتاتی ہو۔

5- جو علمی تصورات کی خامیوں کو آشکار کر کے انہیں پاکیزہ اور سُستہ بناتی ہو۔

6- جو ہمیں احکامِ دین کی حکمتوں اور علتوں کے پورے سلسلہ سے آگاہ کرتی ہو اور ان حکمتوں اور علتوں کا ایک ایسا تصور دیتی ہو، جس میں اندرونی طور پر کوئی تضاد نہ ہو۔

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 72
ISSUE
4

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666 E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/
www.youtube.com/idaratolueislam/

یہ وہ لوگ ہیں جو اُن تمام صداقتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو (اے رسول!) تجھ پر بذریعۂ وحی نازل کی گئی ہیں، اور جو تجھ سے پہلے پیغمبروں کو اُن کے اپنے اپنے وقت میں دی گئی تھیں (اور جو اب قرآنِ کریم کے اندر محفوظ ہیں) __ اِن صداقتوں پر ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صحیح تاریخی شہادتوں سے اِس نتیجہ پر پہنچ جائیں کہ اس پروگرام پر اس سے پہلے بھی کئی بار عمل ہو چکا ہے اور اس سے ہر بار وہی نتائج پیدا ہوئے ہیں جن کا اب وعدہ کیا جاتا ہے، اس لیے اب بھی وہی نتائج مرتب ہوں گے __ وہ اِس طرح اِس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اِس ضابطۂ خداوندی پر عمل کرنے سے ایک نئی زندگی کی نمود ہو جاتی ہے اور یوں حال کی جدوجہد سے انسان کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے __ وہ مستقبل جس کا سلسلہ اِسی دنیا تک محدود نہیں بلکہ وہ مرنے کے بعد بھی آگے چلتا ہے۔ (مفہوم القرآن، سورۃ البقرہ:4)